

www.novelskidunya.com



# بسمیل

از مہر النساء شاہ میر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔۔۔

اَللّٰهُمَّ عَلَیْکُمْ اَحِبَّ اَبَاح

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید۔۔۔

ناولز کی دنیا "ویب سائٹ / گروپ / پیج" دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپ کی تحریر پوسٹ ہو جائے گی۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔۔

Email address :- [Novelskiduniya77@gmail.com](mailto:Novelskiduniya77@gmail.com)

Facebook page :- [Novels ki duniya](https://www.facebook.com/Novels_ki_duniya)

( user name [@zoyatalib77](https://www.facebook.com/@zoyatalib77) )

Facebook group :- [Novels ki duniya](https://www.facebook.com/Novels_ki_duniya)

Instagram Page:- [Zoya Talib](https://www.instagram.com/Zoya_Talib) (UserName: [Novelskiduniya77](https://www.instagram.com/Novelskiduniya77))

( پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو )

اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے

["novels ki duniya"](https://www.facebook.com/Novels_ki_duniya)

اور

["website"](https://www.facebook.com/Novels_ki_duniya)

لکھا ہے ان دونوں کو وزٹ کرنے کے لیے لکھے ہوئے پر ہی کلک کریں اور اوپن کر لیں۔۔۔

شکریہ۔۔۔۔۔

# بسمیل

## از قلم: مہر النساء شاہ میر

"باب چہارم: حقیقت مختلف ہوتی ہے"

ایک وقت تھا جب تمہاری آنکھوں پہ ایک پٹی تھی۔

تمہاری دنیا اندھیری تھی، لیکن یہ جا چکی بینائی وقتی تھی۔

تم نے دیکھے خواب کئی، سجائے تھے ارمان کئی۔

بچپن تھا خواب سا جوانی رہی احترام کی ماری سی۔

پھر وقت نے یوں کھیل کھیلے، یوں بخت نے تم کو ناچ نچائے۔

چھینے تم سے رشتے کئی، لوٹے جو تھے خواب سجائے۔

پھر اک دن ہوئے تم باغی، تم نے کی جو دل نے کہی۔

بتلاؤں کیا۔؟ بے وقاری، بے قدری، بے حسی، بربادی۔ سب ہی

عین جوانی میں تم خالی ہاتھ ہوئے، بڑھاپے کے لئے بے ساتھ ہوئے۔

لیکن یہ تھا وجدان کا وقت، تمہارا کہانی کار جھوٹا تھا۔

اور جو نہی تم نے یہ بھید جانا، تبدیل ہوئے کھیل، تم نے جانا مہرہ اندھا تھا۔

اب کھیل پھر بدلا ہے، اب کردار نئے انداز سے تم پہ وارد ہوئے۔

اب تم ہو اک بساط پہ، اب تمہارے آگے ہیں مہرے کئی۔

ان مہروں سے تم کھیلو، ان سکوں سے پہچان بناؤ۔

رونا نہیں ہے ماضی پہ کہ عقل پہ تمہاری پردے تھے۔

ہر دور میں، وقت میں، چند لمحے تھے، وہ لمحے جو نابینائی تھے۔

نہ تم تھے کم عقل، نہ تھے تم بے ذہن۔ سرگوشی کچھ ہے کہتی سنو



جو دکھتا ہے وہ ہوتا نہیں جو اندازے ہوں وہ درست نہیں۔

آتی جاتی سانس، بہتی بھاگتی ہوا، بہتی بھرتی ندی سب تم کو ایک پیغام سنائیں۔

اتارو آنکھوں سے پٹی اور کہو "حقیقت مختلف ہوتی ہے۔"

"میں نے تمہیں اس رات تمہاری منگیتر سے بات کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ تم کتنے horrible ہو مہدی۔"

ڈاننگ ہال سے نکلتے ہوئے مہدی کبیر کا موبائل تھر تھرایا تھا۔ غیر شناسا نمبر لیکن خیر یہ اسکے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ موبائل کان سے لگاتے ہوئے باہر نکلتا چلا گیا۔

اسکے کسی پرانے دوست کی کال کی تھی۔ وہ غائب دماغی سے چند پل بات کرتا رہا۔ پھر کال کاٹ دی۔ اسی لمحے اسکی نظر لان میں ذرا فاصلے پہ کھڑی انیسہ پہ پڑی۔ لمبے بال اور ماڈلز جیسی جسامت والی لڑکی افسردہ آنکھوں سے آسمان کو تک رہی تھی۔

مہدی چند پل یونہی کھڑا اسکی پشت کو دیکھتا رہا۔ یہ لڑکی اس کی منگیتر تھی۔ بچپن سے اسکا نام اپنے نام کے ساتھ سنا تھا۔ اچھا نہیں لگا تھا تو برا بھی نہیں لگتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ لا تعلقی انسیت میں بدلنے لگ گئی۔

مہدی کو انیسہ کے ساتھ وقت گزارنا باتیں کرنا پسند آنے لگا تھا۔ اسکے نام کے آخر میں اپنا نام لگانا بھی پسند تھا۔ نئے ملک نئے شہر جا کر اسکے لیے چیزیں لانا، اسکی پسند نا پسند کا خیال رکھا سب عادت بنتی چلی گئی۔ گزرے برسوں کو پیچھے چھوڑ کر اگر حال کی بات کرو تو مہدی کمبیر انیسہ کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ لیکن انیسہ نہیں۔ اسکی بات کی اہمیت نہ ہوتی۔ لیکن بختیار کمبیر کے بچار بھی کچھ ایسے ہی تھے۔

انہیں انیسہ کے لئے مہدی سے زیادہ قیس پسند تھا۔ ہونہار، لائق اور مضبوط سہارا۔ اپنی بیٹی کو ایسا مضبوط سہارا دینے کے لیے وہ مہدی کو مفلوج کر سکتے تھے۔ ہک ہا۔

The mean kambeers

تمام خیالات کو ذہن سے جھٹکتا مہدی کمبیر انیسہ کی طرف چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے لگا۔ چاند کی میٹھی روشنی اسکے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ وہ اسے دل سے نکال رہا تھا۔ اسی کی خواہش پہ۔ اگر یہ آسان نہیں تھا تو اتنا مشکل بھی نہیں تھا۔

"یہاں کیا کر رہی ہو۔؟" اسکے عقب میں ٹھہر کر نرمی سے استفسار کیا۔

انیسہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ آنکھوں کی جوت بجھی ہوئی تھی۔ "اس گھر میں سوائے غم منانے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔؟" تھکا ہوا باغی لہجہ۔

"تم سے وعدہ کیا تھا۔ تمہیں یہاں سے آزادی دلاؤں گا۔ پھر آخر کیا چیز ہے جو تمہیں اتنا ستا رہی ہے۔؟"

"مجھے یہاں سے نہیں تم سے آزادی چاہیے مہدی۔" انیسہ کا لہجہ تیز ہوا۔ "مجھے تمہارے نام سے آزادی چاہیے۔ بلکہ (وہ ایک پل کو رکی) مجھے اس سرنیم سے ہی آزادی چاہیے۔ نہیں رہنا مجھے تمہارے ساتھ نہ ہی قیس کے ساتھ۔ میں اپنے حساب سے اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ جہاں تم لوگوں کا سایہ بھی نہ ہو۔"

مہدی نے تحمل سے اسے دیکھا۔ آنکھوں میں کچھ تھا جو تمہیں مہدی کے لئے اداس کر دے۔ "میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا انیسہ۔ میں تمہاری خوشی کی ضمانت نہیں دیتا۔ لیکن میری طرف سے تم آزاد ہوگی۔ انشا اللہ بہت جلد۔"

اسکے سامنے کھڑی لڑکی کا سانس بحال ہوا۔ اب کے اسکی نظریں نرم تھیں۔ "کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔؟ . . . . . میرا مطلب ہے تم اتنی بڑی قربانی دے رہے ہو تو . . . . ."

"ہاں مجھے تم سے محبت ہے۔" اس صاف گوئی پہ ایک پل کے انیسہ تھم گئی۔ "مجھے تم بہت پسند ہو۔ تمہارے ساتھ اگر ساری زندگی گزارنے کا موقع ملے تو میں خود کو خوش قسمت سمجھوں گا۔ لیکن،" اس نے نظریں انیسہ کے چہرے پہ گاڑ دیں۔ "مجھے محبت سے زیادہ عزیز ہے اپنا ذہنی سکون۔ جو کم از کم تم جیسی ٹراما کی ماری عورت نہیں دے سکتی۔" ایک کاری وار انیسہ کی روح پہ لگا تھا۔

اس کا چہرہ ہتک سے سرخ ہوا تھا۔ مہدی نے اضافہ کیا۔ "تمہارے ساتھ زندگی ایک عذاب بن کر گزرے گی۔ میں تمہارے لئے قربانی نہیں دے رہا۔ میں ایک ٹریولر ہوں۔ ذہنی سکون اور میری خوشی مجھے تم سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ تم میری طرف سے آزاد ہو انیسہ۔ لیکن مجھ سے یہ توقع مت رکھنا کہ میں تمہارے حصے کی جنگ لڑوں گا۔ اس مسیح لڑکے کے لئے تمہیں اپنے ابا سے خود بات کرنی ہوگی۔" وہ کانوں میں تیزاب ڈال کر دو قدم پیچھے ہوا۔

انیسہ نے سفید پڑتی رنگت سے اسے دیکھا۔ اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑا قیس انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔  
اسکے کندھے اور کان کے درمیان موبائل تھا۔ جسے اب جدا کرتے ہوئے وہ نیچے کی جانب آ رہا تھا۔  
مہدی . . . . انیسہ کی پکار گویا کسی گہری کھائی سے آتی ہو۔

"میری مدد کر دو پلیز۔۔۔ تم تم ابا سے میرے لئے بات کرو۔ تم اس گھر کے مرد ہو۔ تمہاری سنی جائے گی۔" انیسہ رونے لگی تھی۔ قیس نیچے اتر آیا تھا لیکن اب بھی ان سے دور تھا۔ اسے آوازیں نہیں آتی تھیں۔ لیکن وہ تاثرات دیکھ سکتا تھا۔

"میں پیٹر کے بغیر مر جاؤں گی۔ میں اسے بہت چاہتی ہوں۔ تم ایک بار پیچھے ہٹ چکے ہو۔ میں تمہارے اس عمل کی قدر کرتی ہوں۔ لیکن پلیز میری زندگی یوں برباد نہ کرو۔" انیسہ کی آخری بات قیس کے کانوں میں پڑی تھی۔ وہ قریب آ چکا تھا۔ لیکن دونوں نفوس اسے دیکھ نہیں پائے۔ وہ لان میں لگے مصنوعی فوارے کی اوٹ میں تھا۔

"میرے ساتھ ایسا مت کرو۔ تم مجھ سے محبت کرتے ہو ناں۔؟ تمہیں اس محبت کا واسطہ ہے۔ پلیز . .

. میرے لئے یہ شادی ضروری ہے میں مر جاؤں گی مہدی پلیز۔" اسکی آنکھیں روانی سے آنسو بہا رہی تھیں۔ قیس شل رہ گیا۔ مہدی اپنی ہی منگیتر کو ڈس اون کر رہا تھا۔ اوہ خدایا وہ کتنا horrible تھا۔

"میں تم لوگوں کا پنچنگ بیگ نہیں ہوں انیسہ۔ میں تمہیں ناں کہہ رہا ہوں۔ ایک صاف سیدھا ناں۔ کیا تمہیں سمجھ نہیں آرہا۔؟" اسکے چہرے پہ دبا دبا غصہ تھا۔

"تمہارے ابا تمہاری شادی چاہے گلی کے کسی شخص سے کریں۔ یا کسی رئیس زادے سے۔ میری بلا سے بھاڑ میں جاؤ۔ آئندہ میرے پیچھے آنے کی یا مجھ سے شادی کی بات کی تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں تم مہدی کا وہ روپ دیکھو گی جس کی توقع بھی نہیں کی ہوگی۔" وہ اس پہ ایک جتاتی نظر ڈال کر آگے بڑھنے لگا جب انیسہ نے اسکی کہنی پکڑ لی۔ آنسو اب بھی تواتر سے بہہ رہے تھے۔

"تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے مہدی۔،، تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ پلیز مجھے اس طرح بچ

منجھار میں مت چھوڑو۔ پلیز۔"



مہدی نے ایک جھٹکے سے اپنی کہنی آزاد کروائی اور آگے بڑھ گیا۔ اسکا غصیلہ چہرہ اب آہستہ آہستہ کرب زدہ ہو رہا تھا۔ قیس نے جو سنا تھا۔ وہ حقیقت تھی۔ لیکن ادھوری۔ مہدی نے جو کیا تھا۔ وہ خود غرضی نہیں تھی۔ اور انیسہ جو کر رہی تھی وہ محبت نہیں سودے بازی تھی۔

دور کہیں کسی نے سرگوشی کی تھی۔ حقیقت مختلف ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

اپنے کمرے میں دائیں سے بائیں چکر کاٹتی زینیا حاکم شدید بے چین تھی۔ کیا وہ مرچکا ہوگا۔؟ کیا وہ واقعی مر گیا ہوگا۔؟ کسی نے اسکا فون بھی تو بند کر دیا تھا۔ وہ آخر کس سے پوچھے۔؟ کیا پوچھے۔؟

بلاخر اس نے اپنا موبائل اٹھایا۔ سفید پڑتے چہرے کو ہاتھ پھیر کر کمپوز کیا۔ بلاک لسٹ سے ایک نمبر نکالا اور اب کے اسکی انگلیاں wierdo نامی شخص کو میسج کر رہی تھیں۔ یہاں سے کئی میل دور اسلام آباد کے ایک پرائیویٹ ہسپتال کے آئی سی یو کے باہر قیس کبیر بیچ پہ بیٹھا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ پیلا پھٹک۔ آنکھیں مردہ۔ اسکا برانڈڈ کوٹ بیچ پہ پڑا اپنی ناقادری کو رو رہا تھا۔ شرٹ سلوٹ زدہ تھی۔ اور جگہ جگہ سرخ دھبے تھے۔ کچھ دھبے اسکے ہاتھوں پہ بھی تھے۔ آج وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ آج

محل کا سب سے مضبوط ستون بیٹھ رہا تھا۔ اسکے ہاتھ میں مہدی کا موبائل تھا۔ جسے یوں دبوچ رکھا تھا۔  
جیسے جانے نہیں دے گا۔ دفعتاً پیغام کی ٹیون گونجی۔ قیس چونک کر سیدھا ہوا تھا۔

"اگر زندہ ہیں تو یس لکھیں۔ ورنہ میری فاتحہ راستے میں ہے۔" بڑی تمیز سے ایک بد تمیزانہ سوال کیا گیا تھا۔ قیس نے غائب دماغی سے اس میسج کو دیکھا۔ کئی لمحے وہ سوچتا رہا، پھر اسکی انگلیوں نے کچھ لکھا تھا۔

"اگر وہ زندہ رہا تو بازو میں گولی لگنے کی وجہ سے لکھ نہیں سکتا۔ اگر مر گیا۔ تو تمہاری فاتحہ نہیں چاہیے اسے۔" خون آلود ہاتھوں سے جواب لکھا۔

(اسکی آنکھوں کے آگے ابھی بھی وہی منظر تھا۔ وہ آفس میں تھا۔ مقصود اسے ترحم سے دیکھ رہے تھے۔ عبداللہ دور کہیں خلاؤں میں دیکھ رہا تھا۔ یکدم اسکے موبائل نے تھر تھرانا شروع کیا۔ بغیر دیکھے کال اٹینڈ کرتے ہوئے اس نے موبائل کان سے لگا لیا۔ آنکھیں گلابی پڑ چکی تھیں۔ چہرہ خطرناک حد تک سفید

آگے سے جو کچھ کہا گیا تھا۔ قیس کے لئے ساری دنیا کی گردشیں رک گئیں۔ اسکا فون والا ہاتھ بے دھم ہو گیا تھا۔ کئی لمحات کے لئے وہ سانس نہیں لے سکا۔

دائیں بائیں چکر لگاتی زینیا کی پریڈ میسج ٹیون کی وجہ سے تھمی تھی۔ پیلا اور ہرا دوپٹہ اسکے ساتھ لہرا رہا تھا۔ اگلے ہی پل اسکے ماتھے کے بل شدید ہوئے۔

"اگر اسے نہیں تو کیا آپ کو فاتحہ کی ضرورت ہے۔؟" چند پل بعد سکریں پھر روشن ہوئی۔

"مجھے فاتحہ بھی نہیں بچا سکتی۔ میرا ٹھکانہ جہنم ہے۔ نری جہنم۔" اضافہ کیا۔ زینیا نے ٹھہر کر اس میسج کو دیکھا۔ یہ مہدی نہیں تھا۔ یہ کون تھا۔؟ وہ نا سمجھی سے چند لمحے میسج دیکھتی رہی اور پھر دوبارہ ٹائپ کرنے لگی۔

"جب تک سانس ہے جنت، جہنم کا فیصلہ تمہارے پاس ہے۔ سانس ٹوٹی، امید ٹوٹی۔" پیغام سفر کرتا ہوا گیا۔ اور قیس کے ہاتھ میں پکڑے موبائل میں ڈیرہ ڈالا۔ قیس نے تھکی تھکی آنکھوں سے پیغام پڑھا۔

"جنت مجھے ان کمفرٹبل کرے گی۔ جہنم میرے لئے نئی نہیں ہے۔" اس نے پیغام بھیج کر آنکھیں موند لیں۔ قرمزی سیال آنکھوں کے آگے بہہ رہا تھا۔ سب کچھ سرخ ہوتا چلا گیا۔

(مہدی کے کمرے کے دروازے پہ رک کر اس نے دیوار کا سہارا لیا تھا۔ اسکے سامنے اسکا کزن تھا۔ اسکا بھائی۔ نیلی روشنی میں خون کے دھبے اپنا رنگ نہیں دکھا رہے تھے۔ لیکن قیس کو یہی خون اپنے دل سے رستا محسوس ہوا۔ وہ کئی لمحے آگے نہیں بڑھ سکا۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن اسے لگا یہ میلوں کی مسافت ہو جیسے۔

مہدی کے پاس اسکے دوست تھے۔ ملازم تھے۔ سب اسے راستہ دے رہے تھے۔ اسکے اندر اب مزید لاشیں اٹھانے کی سکت نہیں تھی۔۔ وہ دھندلی پڑتی بصارت کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ کئی لمحے بعد اس نے گھٹنوں کے بل خود کو اسی سرخ سیال کے قریب بیٹھتا محسوس کیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر مہدی کے سینے پہ رکھا تھا۔

سانسیں چل رہی تھیں۔ نہ جانے کتنی دیر مزید چل پاتی۔ خون کے قطرے اسکے جسم سے اب بھی بہہ رہے تھے۔ نہ جانے مزید کتنی دیر بہتے۔ اسکا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ وہ خود کو مفلوج محسوس کر رہا تھا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے خون کے دھبے اور پھٹا ہوا جسم دیکھنا اسکی مجبوری تھی۔)

"اگر تم ایک منٹ کے لئے اپنی فلاسفی ایک جانب رکھ کر مجھے بتاؤ گے کہ مہدی مر گیا یا زندہ ہے تو تمہارا احسان ہو گا۔" تھر تھراتا موبائل اسے ایک بار پھر حال میں کھینچ لایا۔

"تم کیا چاہتی ہو۔؟ وہ مر جائے یا بچ جائے۔؟" تھکے تھکے انداز میں پیغام بھیج کر قیس نے ایک گہری سانس خارج کی۔ آس پاس کا رش۔ لوگوں کی بھانت بھانت کی بولیاں۔ سفید کفن جیسا کوٹ پہنے آتے جاتے ڈاکٹرز۔ دوائیوں کی بو۔ اسے ان سب سے فرار چاہیے تھا۔ کوئی ہو جو اس سے بات کرے، اسکے خیال بدل دے۔

زرد جوڑے والی لڑکی کا موبائل جگمگایا۔ آنکھوں میں الجھن ابھری۔ آخر یہ صاف صاف جواب کیوں نہیں دیتا۔؟

"میں چاہتی ہوں وہ مر جائے۔ تاکہ اسے معلوم ہو انسانوں کی دنیا میں فرشتہ بننے کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

"اسے مرنے نہیں دوں گا میں زندگی اسکے لئے سزا ہے اور اسے جھیلنی چاہیے۔"

پیغام دیکھ کر وہ ایک پل کو رکی۔ آنکھیں شیطانی انداز میں چمکیں۔ "ویٹ ویٹ ویٹ . . . کہیں تم اسکے کڈنپر تو نہیں ہو۔؟ کہیں تم نے ہی تو اسے نقصان نہیں پہنچایا۔؟ اگر تم نے ایسا کیا ہے۔ تو یقین مانو جہنم واقعی تمہارے لئے بنی ہے۔" قیس نے اچھنبے سے اتنا لمبا میسج پڑھا۔

"اس میں ایسا کیا خاص ہے۔!؟ کیوں اسے مارا نہیں جا سکتا۔؟" قیس واقعی جاننا چاہتا تھا۔

زینیا نے کندھے اچکاتے ہوئے ٹائپ کیا۔ "کسی انسان کو زندہ چھوڑ دینے کے لئے ایک ہی وجہ کافی ہوتی ہے کہ وہ "انسان" ہے۔ اور مہدی کسیر ایک اچھا انسان ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو پلیز اسے مت مارنا۔" بس میسجز پہ اس لڑکی کی باتیں کروالو۔ دھڑا دھڑ ٹائپ کر دے گی۔

"وہ اتنا اچھا نہیں ہے جتنا بنتا ہے۔ بے زار جواب۔"

"تم اتنے برے نہیں ہو جتنے بنتے ہو۔" ترنت آئے جواب نے ایک پل کے لئے قیس کو ساکن کر دیا۔

(وہ خون سے لت پت شخص کو اٹھا رہا تھا۔ اسکی سبز آنکھوں پہ پردہ تھا۔ وہ ان آنکھوں کو کھلے ہوئے

دیکھنا چاہتا تھا۔ کیا کرنا چاہیے اسے علم نہیں تھا۔ لیکن وہ بس راہداریوں میں بھاگ رہا تھا۔ اسکی شرٹ



خون آلود ہو رہی تھی۔ اسکے ہاتھ تھک رہے تھے۔ لیکن وہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ اگلے مناظر ٹوٹے  
بکھرے تھے۔ اس نے اپنے بھائی کو ایمبولینس میں ڈالتے دیکھا۔

لوگ انکی تصاویر بنا رہے تھے۔ وہ شل تھا۔ کسی کو دیکھ نہیں رہا تھا۔ اسکا ہاتھ مہدی کے سینے پہ تھا۔  
دھک دھک کی یہ آواز اسے سکون دے رہی تھی۔ امید، دلاسا دے رہی تھی۔ ہسپتال کی راہ داریوں  
میں اسکے آگے پیچھے ڈاکٹرز تھے۔ اسٹریچر پہ لیٹا وجود، اسکے چہرے پہ نیل پڑ گئے تھے۔ کوئی کسی انسان کو  
ایسے کیسے مار سکتا ہے۔؟ اس نے ٹوٹے دل کے ساتھ سوچا۔؟

مہدی کے دوست پریشان تھے۔ کچھ لوگ تو ہسپتال ہی نہیں آئے۔ کہیں کوئی پولیس کیس نہ بن جائے  
ہر کوئی ڈھے رہا تھا۔ کھڑا تھا تو بس قیس کبیر . . . . لیکن کتنی دیر تک۔؟  
"تم کون ہو۔؟" . . . قیس نے سطری سوال کیا۔

"پہلے مجھے یہ بتاؤ مہدی زندہ ہے یا مر گیا۔؟ پھر تعارف۔"

"وہ زندہ ہے۔ اب تعارف۔"

"مجھے نہیں لگتا اب اس کی ضرورت ہے۔" اس نے بلاک کا بٹن دباتے ہوئے موبائل بند کر دیا۔ یہ سب اتنی جلدی میں ہوا تھا کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکا۔ قیس حق دق تھا۔ ایک تو اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ پھر مجھے ہی بلاک کر دیا۔؟

وہ کئی لمحے واقعی حق دق رہا تھا۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ وہ واقعی سمجھ نہ سکا۔ قیس کمبیر اپنی زندگی میں پہلی بار کسی کے ہاتھوں بلاک ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

گہری گمبھیر خاموشی، چاند کی ذرا سی روشنی اور گہرا اندھیرا۔ ان سب کے درمیان اس نے آہستگی سے کریڈل پہ پڑا فون اٹھایا۔ ریل گھمائی۔ دل دھڑکا تھا۔ ہاتھ لرزے تھے۔ امیدوں کا دیا نئے سرے سے پھٹ پھڑایا۔ اس لمحے اس پہر زینیا حاکم کے لئے ساری دنیا سن ہو گئی تھی۔ کال مل گئی تھی۔ ایک بھاری مردانہ آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ زینیا نے بے اختیار اپنے دل کے مقام پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"اس نے اس آواز کو سننے کے لئے کئی سال اپنی سماعتیں بے قرار رکھی تھیں۔"

کسیر محل میں واقع قیس کسیر کا شاہی کمرہ اس دن بھی ویسا تھا۔ شاہانہ پر تعیش۔ بالکنی میں رکھے صوفے پہ بیٹھا قیس سگار کو لبوں میں دبائے ہوئے تھا۔ آنکھیں دور کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔ یہیں اسی بالکنی میں ایک طرف چھوٹی سی شیشے کی میز پہ ایک موبائل رکھا تھا۔ یہ اسکا موبائل نہیں تھا، روز مرہ کے استعمال والا نہیں۔ اس موبائل پہ وہ انکرپٹڈ وائس استعمال کیا کرتا تھا۔ کچھ دیر قبل ہی تو اس نے اپنی منگیتر کے باپ سے بات کی تھی۔ وہ اسے بلا رہے تھے لیکن جو قیس نے کیا تھا، اسے برا لگا تھا۔ لیکن اسے اپنی پھپھو یاد تھیں۔ کس طرح وہ طعنے سہا کرتی تھیں۔ کس طرح حاکم نواب نے اپنی بہن کا بدلہ قیس کی سب سے اچھی پھپھو امینہ بیگم سے لیا تھا۔ کس طرح انکو نکاح اور ایک بچے کے ساتھ میکے کے در پہ چھوڑا گیا تھا۔

فون کی چنگھاڑتی آواز اسے حال میں لے آئی۔ ہاتھ بڑھا کر فون اٹھاتے ہوئے اسکے انداز میں رعونت تھی۔ ماتھے پہ بل۔ ابتداء قیس نے کی تھی۔ بلوچی زبان میں ایک ترش سوال۔

لیکن دوسری جانب سے ایک لڑکی کی آواز سن کر وہ تھم گیا۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن خاموش کروا دیا گیا۔ وہ مسلسل اسکا نام پکار رہی تھی۔ گویا یقین کر لینا چاہتی ہو۔ اتنے عرصے بعد اپنا اصل نام سن کر وہ حال میں نہیں تھا۔ عبداللہ نام کی پکار اسے ماضی میں لے جاتی تھی، کہیں حال، اور کبھی

مستقبل۔ آوازیں قیس کا خوف تھیں۔ وہ ایک سو پچپن آئی کیو کا مالک آوازیں پہچاننے کے معاملے میں دنیا کا کم عقل ترین انسان تھا۔

"کئی سالوں سے تمہارا انتظار کیا ہے۔" ایک نسوانی آواز۔ قیس پہ حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ اسکے خاندان میں یوں لڑکیاں کسی مرد کو کال نہیں کیا کرتیں۔

"تم . . . .". قیس نے کچھ کہنا چاہا جب وہ اسے ٹوک گئی۔ قیس کا رواں رواں کان بن گیا تھا۔

"جب سے ہوش سنبھالا تمہارا نام اپنے نام کے ساتھ سنا۔ اتنی عادت ہو گئی ہے کہ اب چھوٹ نہیں رہی۔" اسکی آواز کتنی خوبصورت تھی۔ قیس نے سکون سے آنکھیں موند لیں۔ دوسری جانب سے اب بھی وہ کہہ رہی تھی۔ کئی لمحہ وہ مزید کچھ کہتی رہی۔ قیس ہر ایک لفظ کو حفظ کر رہا تھا۔ نہ محبت نہ انسیت، نہ کسی قسم کی کشش یہ اسکا گلی پلیئر ثابت ہو رہا تھا۔

"میں بہت خوبصورت ہوں سب کہتے ہیں۔ لیکن سب کہتے ہیں عبداللہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ کھڑے ہو کر خود کو دیکھنے کا انتظار کیا ہے۔ میں نے انتظار کیا ہے کہ تم خود اعتراف کرو گے۔ کہ تمہاری عورت زیادہ خوبصورت ہے۔"

"کیا تم واقعی اتنی خوبصورت ہو۔؟" قیس دلکشی سے مسکرایا آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ چاند کی مدھم روشنی اسکے چہرے پہ گر رہی تھی۔ اسکے سوال کے جواب میں اسے درشتی سے خاموش رہنے کا کہا گیا۔ وہ واقعی خاموش ہو بھی گیا۔ قیس اسے سننا چاہتا تھا۔ وہ اسے پتہ نہیں کیوں سننا چاہتا تھا۔؟ یہ محبت، انسیت، کشش اونہوں ایسا کچھ نہیں تھا۔ کئی برس بعد ایسی ہی بے سکونی، بے قراری اس نے کئی برس قبل اپنی پھپھو کی آنکھوں میں بھی دیکھی تھی۔ اسکے ابا جب اسے انتقام کے لئے تیار کرتے تھے، انکی آنکھوں کی تپش اسے سب یاد تھا۔

"میں تمہارے نام کے ساتھ used to ہو گئی ہوں۔ میں تمہارے علاوہ کسی اور کو سوچوں تو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی غیر ضروری شے دائرے میں آگئی ہو۔"

قیس اب کے سیدھا ہو کے بیٹھا۔ چاند کی روشنی اسکے ماتھے پہ پڑ رہی تھی۔ کئی پل گواور کو نم ہوائیں اپنا پیغام اسلام آباد نہ لاسکیں۔ تو اسلام آباد کا سکون منتشر ہونے لگا۔

"آجاؤ عبداللہ۔" کئی پل بعد بے حد آزر دگی سے کہا گیا۔ عبداللہ کئی پل کے لیے کچھ کہہ ہی نہ سکا۔

"تمہاری آواز بہت خوبصورت ہے۔۔" وہ مزے سے بولا۔ گویا اسکی تکلیف سے حظ اٹھا رہا ہو۔ "تم کون ہو۔؟" قیس نے اضافہ کیا۔

"وہی جسے تم اپنے نام پہ بٹھا کر گئے ہو، اور وہی جس نے تمہارے نام کے ساتھ وفاداری کی ہے۔" وہ کس اعتماد سے بولتی تھی۔ وہ کس طرح جواب دے کر لا جواب کرتی تھی۔

"میں نے سنا تھا خاندان کی لڑکیاں بہت حیا والی ہوتی ہیں۔ بلا ضرورت مردوں سے بات نہیں کرتیں۔" طنز کے تیر چلانے میں وہ ماہر تھا۔

"میں نے سنا تھا خاندان کے مرد بہت غیرت والے ہوتے ہیں۔ اپنے نام سے جڑی لڑکی کا نام کسی اور کے ساتھ نہیں سن سکتے۔ کہا سنا سچ کہاں ہوتا ہے عبداللہ۔" وہ کس حق سے یہ نام لے رہی تھی۔ اور کتنے عرصے بعد یوں اپنا نام سننا اچھا لگا تھا۔ کاش وہ اس پکار کو اپنی سماعتوں میں محفوظ کر پاتا۔

"کیا تم نے واقعی میرا انتظار کیا ہے۔؟" وہ نہ جانے کیا سننا چاہتا تھا۔

"نہیں۔" یک لفظی جواب پہ وہ تھم گیا۔ "میں نے کبھی تمہارا انتظار نہیں کیا۔ میں نے تمہارے آنے کا یقین رکھا ہے۔ تمہیں آنا چاہیے عبداللہ۔" وہ جتا رہی تھی۔



اپنی بالکنی میں کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھے قیس کی آنکھیں یکدم چمکی تھیں۔ "میں کیوں آؤں؟ کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے۔؟"

"مجھے تم سے ضد ہے۔۔"

"اگر تم کہتی تمہیں مجھ سے محبت ہے تو مجھے زیادہ مزہ آتا۔" انتقام نے اسکے لہجے میں سر اٹھایا تھا۔ اگلے کئی لمحے اس کی طرف سے خاموشی رہی۔ قیس بھی خاموشی سے اسکے بولنے کا منتظر رہا۔

"آجاؤ عبداللہ۔" اس نے گویا اپنی انا پہ پیر رکھ کر کہا تھا۔ الفاظ نہیں تھے ماضی کا فلش بیک تھے۔ آگ

... لاشیں ... خون ... نارنجی بھڑکتے شعلے ... ان سب کے درمیان قیس کا دماغ کوئی

یادداشت نہیں بنا سکا۔ سب گڈ مڈ ہونے لگا۔ آوازیں قیس کا خوف تھیں۔ آوازیں اسکا برا ماضی تھیں۔

اگلے کئی لمحے قیس نے اسے بہت کچھ کہا۔ شاید انکار، شاید انتقام۔ وہ ماضی کے زیر اثر بہت کچھ کہہ گیا۔

یادداشت کا حصہ البتہ کچھ نہیں بن سکا۔ اب اگلے کئی لمحے اسے سسکیوں کی گھٹی گھٹی آوازیں سنائی دیتی

رہیں۔

"خدا کی قسم عبداللہ میں تمہیں مر کر بھی معاف نہیں کروں گی۔"

"تم اتنی مضبوط نہیں ہو جتنی بنتی ہو۔" وہ الجھ کر سفاک تبصرہ کر گیا۔ پچھلے چند لمحوں میں اس نے کیا کہا تھا اسے یاد نہیں تھا۔ وہ ایک فوبک انسان تھا۔

"میں ذرا بھی مضبوط نہیں ہوں، میں ڈھیٹ ہوں عبداللہ۔۔۔" یہ نام کاش وہ لڑکی یہ نام لینا چھوڑ دے۔ یہ نام قیس کو ماضی اور حال کے درمیان ایک پھندے پہ لٹکا دیتا تھا۔ اور پھر اگلے کئی لمحے اسکے ذہن میں کوئی آواز پراسیس نہیں ہوتی تھی۔ کوئی یادداشت اسکے ذہن کا حصہ نہیں بنتی تھی۔ تھیراپی، علاج، سیشن کچھ بھی اسے ان آوازوں کے خوف سے نہیں نکال سکا تھا۔

"میں اب مر کر بھی تمہارا انتظار نہیں کروں گی۔ اب اگر آؤ گے تب بھی میں تمہارے لئے نہیں ہوں گی عبداللہ۔"

"تمہاری آواز بہت خوبصورت ہے۔" وہ کسی طرح اس عبداللہ نام کی گردان کو ختم کروانا چاہتا تھا۔ تاکہ اپنی منگیت سے ہوئی پہلی بات کو اپنے ذہن کے پردوں میں محفوظ کر سکے۔ لیکن بے سود۔

کال کٹ چکی تھی . . . . وہ بے اختیار پریشان ہو بیٹھا۔ بے بسی بھرا غصہ اسکے دماغ پہ حاوی ہونے لگا۔ اگلے کئی لمحے قیس سر کو ہاتھوں میں دیئے بیٹھا رہا۔ کیوں آخر کیوں اسکا ماضی ایسا تھا؟ کیوں اس نے حال اور ماضی کی گرداب میں پھنس کر ایک حسین یاد گنوا دی؟

عقل ہر ایک لئے نعمت نہیں ہوتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال کی ٹھنڈی راہداریوں میں سکوت تھا۔ موت سے پہلے والا سکوت۔

موت کے منہ سے بچ کر آنے جیسا سکوت، یا پھر قبر کی پہلی رات جیسا سکوت۔ مہدی کی سرجری کو کئی

گھنٹے بیت چکے تھے۔ شام سے صبح ہونے کو تھی۔ مہدی کمبیر کا ٹریمنٹ کامیاب ہو چکا تھا۔ اسے آئی سی یو

سے روم میں شفٹ کیا جا چکا تھا۔ ہسپتال والے لباس میں اسکا سانولا چہرہ زرد لگ رہا تھا۔ خون کافی مقدار

میں بہہ چکا تھا۔ اسکے خاندان والے اسکے لئے پریشان تھے۔ انیسہ اسکے پیروں کے قریب بیڈ پہ بیٹھی تھی۔

روئی روئی سی آنکھوں میں اپنے کزن کے لئے فکر تھی۔ اس محل میں وہی تو ایک تھا جو اس لڑکی کو

انسان بھی سمجھتا تھا۔ ہاں انکے کچھ اختلافات تھے، لیکن پھر بھی وہ اسے بہترین انداز میں سمجھتا تھا۔

اسی پل دروازہ کھلا اور قیس کمبیر اندر داخل ہوتا دکھائی دیا۔ کچھ دیر قبل کی زرد رنگت اب بدل چکی تھی۔ تھکن کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ آنکھیں ایک بار پھر کسی سیریل کلر کی مانند ہو گئیں۔ گردن اٹھی ہوئی، چال میں تمکنت۔

مہدی آنکھیں موندے لیٹا تھا۔ قیس کے آتے ہی انیسہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ مہدی کو نرم نظروں سے دیکھا، اور پھر باہر چلی گئی۔ وہ چند پل اپنی جگہ کھڑا رہا اور پھر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا مہدی کے بیڈ کے ساتھ رکھی کرسی پہ آن بیٹھا۔ بھاری سانسیں لیتا مہدی سو رہا تھا۔ قیس گردن ڈھلائے اسے کسی سائیکو کی مانند دیکھے گیا۔ اسی لمحے سیریل کلر نے ہاتھ آگے بڑھا کر زخمی بازو کو بری طرح دبایا۔ آنکھیں سفاک، سرد تھیں۔ پلستر کے باعث اثر نہ ہوا۔ لیکن اس نے ہار نہ مانی، زخمی بازو کو اوپر اٹھا کر ہوا میں بلند کر کے نیچے چھوڑ دیا۔ بازو پلنگ سے ٹکرایا ایک دم بازو میں اتنا شدید درد اٹھا تھا کہ مہدی بلبلا تے ہوئے اٹھ بیٹھا تھا۔ اسکی روح تک زخمی ہو گئی تھی۔ وہ بری طرح کراہ رہا تھا۔ بلند آواز میں چیخ چیخ کر۔ یوں لگتا تھا جیسے سارے ٹانگے ادھر گئے ہوں۔ درد کی شدت سے وہ گہرے لمبے سانس لینے لگا تھا۔ قیس سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

قیس نے بیٹھے بیٹھے ایک بار پھر اسکا بازو بلند کیا۔ مہدی اسے ہٹانا چاہتا تھا لیکن اسکے جسم میں ذرا برابر توانائی نہیں بچی تھی۔ ہوا میں بلند بازو کو ایک بار پھر یونہی نیچے چھوڑا گیا۔ تکلیف حد سے سوا ہوئی، تین گولیوں سے داغا گیا بازو درد سے سن ہو گیا۔

"وہ کون تھا مہدی۔؟"

"تمہارا مرا ہوا باپ تھا وہ خبیث انسان۔" مہدی غرایا۔ پھر لبوں کو سختی سے جما کر درد کم کرنے کی کوشش کی۔ چند موٹے موٹے پانی کے قطرے بلا اجازت چہرے پہ پھسل گئے۔ درد پہ کسی کا اختیار تھوڑی ہوتا ہے۔

"میرا باپ ہوتا تو اس وقت تم قبر کا حساب دے رہے ہوتے، یوں میرے سامنے سانس نہ لے رہے ہوتے۔" سبز آنکھوں میں مارے تکلیف کے بے بسی بھرنے لگی۔ لوہے کے زرے اسکے بازو کو چیر گئے تھے۔ درد تو ہونا تھا۔

"وہ کون تھا مہدی۔؟ اس نے تمہاری جان کیوں لینی چاہی۔؟ اور اگر لینی چاہی تو لی کیوں نہیں۔؟" وہ اب تک اپنی بات پہ اٹکا تھا۔

مہدی نے ضبط سے اسے دیکھا۔ "میں نہیں جانتا وہ کون ہے۔ میں بس اتنا جانتا ہوں کہ میں مرنا نہیں چاہتا۔" اس نے ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔ "میں مرنا نہیں چاہتا قیس۔" وہ قیس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کچھ جتا رہا تھا۔

قیس نے پہلو بدلا۔ "کیا کوئی دشمنی، بغض، عناد؟" ایک اور سوال۔

"تمہارے علاوہ یہ تعلق کسی سے بنا ہی نہیں۔" اس نے اپنا ہی مذاق اڑایا۔

قیس اپنی جگہ سے اٹھا۔ قریب آ کر اس کے تکیے برابر کئے۔ "شاید تم نے اس آدمی کے کسی بے حد عزیز شخص کو اس سے دور کیا ہو۔؟" مہدی کے سینے پہ دباؤ ڈال کر اسے لٹا دیا۔ "شاید تم نے اسے اس لوہے کے ذرے سے زیادہ تکلیف دی ہو۔؟"

"کیا پتہ وہ کسی برسوں پرانے بغض کے چلتے تمہارے قریب آیا ہو۔؟" سرگوشی میں سر قلمی کی بو آتی تھی۔ مہدی نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں ولن لگتا ہوں، لیکن میں وکٹم ہوں۔ میں پر اہلم لگتا ہوں۔ لیکن میرے ساتھ کوئی پر اہلم ہے۔" وہ ایک پل کو رکا۔ "میں غیر لگتا ہوں لیکن میں تمہارا سب سے قریبی ہوں۔" دوائیوں کا اثر، لوہے سے



دانے جسم کا درد، اپنوں کی بے اعتنائی، یہ تھے وہ تمام جذبے جو ایک چھپیس سالہ مرد کو کمزور کر رہے تھے۔

"میں مہدی سرور کبیر اپنے اللہ کو حاضر جان کر قسم کھاتا ہوں، میں نے اپنی زندگی میں کسی شخص کو جان کر تکلیف نہیں دی۔ اور اگر دی ہے تو میرا معاملہ اللہ کے حوالے۔"

قیس قہقہہ مار کر ہنسا تھا۔ "کیوں؟ اللہ کے حوالے کیوں؟ وہ تو رحیم ہے فوراً معاف کر دے گا۔ تمہارا معاملہ اسکے حوالے جسے تم نے تکلیف دی۔ تمہارا معاملہ انسان کے حوالے، اور یاد رکھنا انسان معاف نہیں کرتے۔"

مہدی غنودگی میں جاتے ہوئے بھاری ہوتی پلکوں کو با مشکل کھولے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسکی پلکوں پہ نمی ٹھہری تھی۔ اسکی سبز آنکھوں کے سامنے کسی عورت کی سبز آنکھیں ابھر رہی تھیں۔ اسکی ماں، اسکی خوبصورت ماں۔

"اگر تم مجھے مارنا چاہتے ہو، تو اپنے ہاتھوں سے مارنا۔ کسی اور کو بھیجا تو میں جینے کی خواہش کروں گا۔ اور

جب میں جینے کی خواہش کروں گا، کوئی مجھے مار نہیں سکتا۔" اس نے ذہن پہ چھائی تصویر جھٹکی، قیس

کے گلے میں گٹی سی ابھری تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر دی۔

"میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے موت دوں گا، لیکن اگر کوئی اور تمہارے قریب بھی آیا تو اسکی موت بھی

میرے ہاتھوں ہوگی۔" وہ تیز تیز قدم لیتا باہر نکل گیا۔ سانس لینے میں دشواری سی ہونے لگی تھی۔ اندر

نیم غنودہ مہدی کمبیر کی آنکھوں سے پانی بہہ نکلا۔

اگر آج اسکی ماں ہوتیں تو اپنے بیٹے سے دور نہ ہوتیں۔ باپ ہوتا تو محبت بھری جھاڑ پلا رہا ہوتا۔ لوہے

سے داغا گیا جسم تکلیف نہیں تھا۔ اس پہ مرہم رکھنے کے لئے کسی،، اپنے،، کا نہ ہونا تکلیف تھی۔

آہستہ آہستہ اسکی پلکیں بھاری ہوتی گئیں، آوازوں کا راستہ رک گیا، پھر اندھیرا چھا گیا۔ آوازیں بند

، چہرے غائب، اور دماغ تاریکی میں ڈوب گیا۔

یہاں سکون تھا، گہرا سکون۔

لیکن ہسپتال کے اس پرائیویٹ روم کے باہر انتشار تھا۔ موبائل کان سے لگائے راہداریوں میں چلتے قیس کے چہرے پہ برہمی تھی۔ "تمہاری جرات کیسے ہوئی اسے نقصان پہنچانے کی۔؟ میں نے کہا تھا ناں اسے میں ہی ماروں گا۔" دوسری جانب کوئی صفائی دی جانے لگی تھی۔ جسے وہ رد کر رہا تھا۔ راہداریوں میں چلتا یہ شخص دھوپ چھاؤں جیسا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں انتقام لینے آیا ہوں انتقام لے کر جاؤں گا۔ اگر تمہیں لگتا ہے تمہاری نرم پکار مجھے روک لے گی، تو تم غلط ہو۔ میں اس عورت کو ساری زندگی معاف نہیں کروں گا۔"

یہ انیسہ سے ہونے والی جھڑپ کے کچھ دیر بعد کا منظر ہے۔ نیلی روشنی والے کمرے میں مہدی اپنے بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ چہرے پہ مضطرب سا تاثر تھا۔ انیسہ کو ہرٹ کر کے وہ خوش نہیں تھا۔ اسے محبت تھی اس لڑکی سے۔ لیکن جو وہ چاہتی تھی کم از کم اس زندگی میں نا ممکن تھا۔ وہ اسے چھوڑ سکتا تھا، کسی اور کے ساتھ بھی دیکھ سکتا تھا، لیکن اس کسی اور کو اسکی زندگی میں لانے کے لئے اپنی قربانی۔؟ معذرت مگر انسان اتنے عظیم نہیں ہوتے، نہ انکو ہونا چاہیے۔

دفتا اسکا موبائل زور زور سے بجنے لگا۔ مہدی نے ایک بے زار سی نگاہ اپنے موبائل پہ ڈالی۔ اور پھر اگلے کئی لمحوں کے لئے دنیا کی ساری گردشیں رک گئیں۔ مہدی کمبیر جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ کالر آئی ڈی پہ "آپا" لکھا تھا۔ ساتھ ایک لڑکی کی تصویر بھی نظر آتی تھی۔ یہ اسکے چہرے کا کلوز اپ تھا۔

سانولی رنگت ہو بہو مہدی جیسی، گردن کو چھوتے اسٹائش بال، ناک میں سونے کی بالی اور خوبصورت پرکشش نقوش۔ اسکی سنہری آنکھیں چمکتی تھیں تو گویا زندگی کا گمان ہوتا تھا۔ مہدی دم سادھے سکرین پہ اسکی جلتی تصویر دیکھتا رہا۔ اسکی ہمت نہ ہوئی کہ ہاتھ بڑھا کر فون اٹھا سکے۔ وہ اپنی جگہ جامد ہو گیا تھا۔ مہدی کمبیر کی بہن میرہ کمبیر کئی سالوں بعد اسے کال کر رہی تھی۔ کال بج بج کر ختم ہو گئی تو دوبارہ سے ملائی گئی۔ اب کی بار مہدی نے مرے مرے ہاتھوں سے فون اٹھا لیا۔ چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ آنکھیں نیم مردہ۔

"انس . . . ؟" باریک نسوانی آواز نے اسکی موجودگی چاہی۔ مہدی کے حلق سے الفاظ برآمد ہی نہ ہو سکے۔ "انس تم مجھے سن رہے ہو۔" ایک بار پھر پکارا گیا۔ ماؤں کی ممتا جیسی پکار تھی یہ۔ ماضی کے چکر، حال کے غم سب کچھ مہدی کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔

"انس میں پاکستان آرہی ہوں۔ میں تم سے ملنا چاہتی ہوں ، کیا ہم مل سکتے ہیں ۔۔؟" وہ آس لئے پوچھ رہی تھی۔ مہدی نے اپنے تاثرات پہ قابو پا لیا۔ اب کے حیرت اور شک کے بدلے تاثرات سپاٹ تھے۔

"تم پاکستان کیوں آرہی ہو ۔؟" جذبات سے عاری لہجے میں پوچھا گیا۔ دوسری طرف اس لڑکی نے گہری سانس لی تھی۔

"محب کو ایک آفیشل میٹنگ کے لئے گواہر آنا ہے۔ میں بھی اسکے ساتھ آرہی ہوں اور ایزل بھی۔"

گواہر آجاؤ انس آئی مسڈ یو آلات ۔"

مہدی نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ "یعنی تم اپنے ایمبیسیڈر شوہر کے ساتھ ایک میٹنگ کے لئے آرہی ہو ، اور مجھے یہاں بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔؟ یعنی اب بھی تم صرف میرے لئے نہیں آرہیں ۔؟" مارے کرب کے اسکا لہجہ زخمی ہوا۔

"ایسا نہیں ہے۔ میرہ نے اپنی صفائی پیش کی۔ میں کافی عرصے سے تم سے ملنا چاہ رہی ہوں۔ میں صرف تمہارے لئے آرہی ہوں۔ ہوں دونوں کے درمیان فاصلے ہیں ، انہیں کم کرنے کے لئے آؤ پلیز آجاؤ۔"

"میری طرف سے جہنم میں جاؤ تم ، تمہارا خاندان اور تمہاری پکار۔ میں تمہارے لئے نہیں آؤں گا۔"

"تم مجھے ڈس اون کر رہے ہو۔؟ میں تمہاری بہن ہوں۔؟" فون کے اس پار اسکی سسکیاں گونجی۔ "مجھ سے کچھ فیصلے ہوئے، درست غلط میں نہیں جانتی۔ لیکن میں تمہاری بہن ہوں انس، تم مجھے نہیں چھوڑ سکتے۔" وہ بلند آواز میں روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اگلی بار مجھے فون کرنے کی جرات بھی مت کرنا۔" اس نے درشتی سے کال کاٹ دی۔

اگلے کئی لمحے وہ اپنے تیز ہوتے تنفس پہ قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ اسے غصہ آرہا تھا، کبھی بے چینی ہو رہی تھی، کبھی سوچتا فون اٹھایا ہی کیوں، کبھی دل چاہتا چند اور باتیں سنا دوں۔ اسی لمحے دروازے کی طرف اسکی نظر اٹھی اور اسکا دل دھک سے رہ گیا۔ ہاتھ میں کافی کے دو گ پکڑے قیس اسے دیکھ رہا تھا۔ اسکے چہرے سے ہی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ سب کچھ سن چکا ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا آگے بڑھ آیا۔ مہدی کے قریب بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے اسکا دھیمالہجہ تنبیہ کرتا ہوا تھا۔

"آئندہ اس سے اس ٹون میں بات نہ کرنا۔"

"میں جانتا ہوں اس سے کس طرح بات کرنی ہے۔ ہمارے معاملات میں نہ آؤ۔ اور وہ میری بہن ہے تم کیوں بچ میں آ رہے ہو۔" قیس نے سیاہ آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیونکہ وہ قیس کی واحد دوست ہے۔ دوبارہ کال آئے تو بیسیو اوکے۔؟" منظر تحلیل ہوا۔ اب کے کسیر محل کے ڈاننگ کا منظر تھا۔

"تم انتقام لینے جا رہے ہو میں جانتا ہوں۔"

پچھلی رات میرہ کی کال آنا، مہدی کا اسے جھڑکنا اور اگلے دن یوں گواہر جانے کی تیاری کرنا، قیس اتنا پاگل نہیں تھا کہ کچھ سمجھ ہی نہ پاتا۔ وہ جانتا تھا مہدی وہاں جائے گا۔ اسکی بہن اسے بلائے گی تو وہ ضرور جائے گا۔ وہ جب جب بلاتی تھی مہدی جاتا تھا۔

لیکن وہاں جا کر وہ اسکا دل دکھائے گا یہ بھی طے تھے۔ مہدی کسیر انتقام نہیں بھولتا، اور قیس کو انتقام کے طریقے نہیں بھولتے۔

☆☆☆☆☆☆

رات کی تاریکی میں حاکم نواب کی گھر کی چھت سے دبی دبی آوازیں آرہی تھیں۔ دو بہنیں آپس میں راز و نیاز کر رہی تھیں۔ بہنیں عجیب ہوتی ہیں ناں۔؟ آپ کی جگہ برتن دھونے پہ سارا گھر سر پہ اٹھالیتی ہیں۔ لیکن کہیں آپ کی جگہ لڑنے کی باری آئے تو ساری دنیا سر پہ اٹھالیتی ہیں۔



چارپائی پہ چت لیٹی چھت کو کتنی دونوں بہنوں نے یکدم خاموشی اختیار کی تھی۔ کافی دیر بعد چھوٹی بہن کے بولنے کی آواز آئی۔

"تم کتنی خوش قسمت ہو ناں زینی۔؟" اسکے لہجے میں حسرت تھی۔ "کیا ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے۔ غیر معمولی آئی کیو لیول، خوبصورتی، خوش بختی، تمہارے پاس سب کچھ ہے زینی۔ میرے پاس کیا ہے۔"

"تمہارے پاس ابا ہیں کوئج۔" وہ بولی نہیں بس سوچ سکی۔ بولنے کے لئے اسکے پاس مختلف الفاظ تھے۔

"تمہارے پاس بھی بہت کچھ ہے کوئج۔ تم بے حد خوبصورت ہو، تمہارا اکیڈمک ریکارڈ اچھا ہے۔ اور سب سے بڑی بات تمہارا اچھا اخلاق ہے۔ میں دس ہزار بار پیدا ہو کر بھی آجاؤں تو تمہارے جیسا اچھا اخلاق نہیں لا سکتی۔ کوئی تمہیں گالی دے دے، تم اسے سمجھانے بیٹھ جاؤ گی۔ اور میں اسے چیر پھاڑ ڈالوں گی۔"

"وہ کہنی کے بل دراز کوئج کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

مڑی ہوئی پلکوں والی لڑکی نے یاسیت سے اسے دیکھا۔ اسے یوں زرد جوڑے میں دیکھ دل بھر آیا تھا۔

"اسلام آباد مت جاؤ ناں زینبی۔ میں بہت اکیلی ہو جاؤں گی۔ میرے پاس تو کوئی بھی نہیں ہو گا۔" آنسو ٹوٹ کے اسکے چہرے پہ پھسل گئے۔ "میں . . . تمہیں نہیں جانے دینا چاہتی۔ پلیز رک جاؤ۔" اس نے منت کی۔ زینیا کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔ یہ بہن نہیں تھی اسکے لئے اولاد جیسی تھی۔

"یہاں میرے لئے کچھ نہیں ہے کوچ۔ میں یہاں رہ کے بس ابا کے جوتے صاف اور بشر کے کپڑے استری نہیں کر سکتی۔ اور اب تو اضافہ ہونے لگا ہے بالاج کے لئے کھانے تیار کرو۔"

"لیکن اس میں مسئلہ ہی کیا ہے۔؟" کوچ روتے ہوئے بولی۔ "ابا کے کپڑے استری کرنا، بشر کے جوتے صاف کرنا، اور بالاج کا کھانا تیار کرنا کیا یہ ایک عورت کا کام نہیں ہے۔؟" اسکا لہجہ ترش تھا۔ زینیا سیدھی ہو بیٹھی شہد رنگ بال چاند کی روشنی پڑنے پہ مزید خوبصورت لگ رہے تھے۔ بے داغ اجلا چہرہ کسی اپسرا کی مانند لگتا تھا۔ قسمت واقعی کچھ لوگوں پہ حد سے زیادہ مہربان ہوتی ہے۔

"مجھے ابا کے کپڑے استری کرنے سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اسکے بعد مجھے اپنی جاب پہ جانے کے لئے چادر بھی تیار کرنی چاہیے۔ مجھے بشر کے جوتے صاف کرنے سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اسے کام پہ بھیج کر مجھے اپنی جاب پہ جانے کے لئے ہیل چمکانی ہیں۔"

وہ ایک پل کو رکی۔ "بالاج کے لئے کھانا بنانے سے مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اس کھانے کے بعد صبح کی پریزنٹیشن تیار کرنے کے لئے وقت چاہیے۔ کیا یہ زیادہ ہے کوئج۔؟ کیا میں زندگی سے کچھ زیادہ مانگ رہی ہوں۔؟" وہ واقعی جاننا چاہتی تھی۔ گھر والوں سے لڑ لڑ کر وہ تھک رہی تھی۔ اب اسے سپورٹ چاہیے تھی۔ ہر انسان کو چاہیے ہوتی ہے۔

کوئج نے بے زاری سے کروٹ بدل لی۔ "مجھے نہیں پتہ زینی کیا صحیح ہے کیا غلط۔ لیکن ابا تمہارے فیصلے سے خوش نہیں ہیں۔ تمہارے فیصلے کبھی انکے فیورٹ نہیں رہے۔ ابا تمہیں پسند نہیں کرتے، لیکن تمہارے اس فیصلے کے بعد تو بالکل نہیں۔ انہیں اب تم سے ذرا بھی محبت نہیں ہوگی۔" اس نیم شاعرہ کو نہیں معلوم تھا، وہ الفاظوں کے معاملے میں کتنی سفاک تھی۔

اگلے کئی لمحے زینیا خلا میں گھورتی رہی۔ "وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں کوئج۔ بہت محبت کرتے ہیں۔ کونسا باپ اپنی اولاد سے محبت نہیں کرتا ہوگا۔؟" کوئج نے دھیرے سے کروٹ بدلی۔ زینیا کا چہرہ رنجیدہ تھا۔

"ابا اور میرے درمیان بہت سارے فاصلے ہیں۔ جنہیں ہم نے کبھی پر نہیں کیا۔ انہوں نے ضروری نہیں سمجھا، اور میں نے ضرورت سے زیادہ سمجھ لیا۔" کئی لمحے وہ ایک بار پھر خاموش رہی۔ چہرہ گھٹنوں سے لگائے بازو ٹانگوں کے گرد لپیٹ لئے۔

"کچھ بچے ہوتے ہیں جو چاہے اچھے گریڈز لائیں، اخلاق کا مظاہرہ کریں، ماں باپ کا نام روشن کریں، یا پھر چاند سے تارے توڑ کر لے آئیں۔ وہ کبھی بھی اپنے پیرنٹس کے فیورٹ نہیں بنتے۔ زینیا حاکم انہی بچوں میں سے ہے۔ ابا کو مجھ سے نفرت نہیں ہے۔ ابا کے لئے بس میں انکی فیورٹ نہیں ہوں۔" یاسیت، اداسی، کرب یکدم ان تینوں نے زینیا کے لہجے میں گھر کیا۔

کوئچ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر اسے ایک اور خیال آیا۔ ہمت مستجمع کرتے، خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیرتے بلاخر اس نے پوچھ لیا۔

"میں نے . . . میں نے اس رات تمہیں عبداللہ سے بات کرتے ہوئے سنا تھا . . . اس نے کیا کہا زینبی؟" جھجھک کر پوچھا گیا۔

"اس نے انکار کر دیا۔" وہ ترنت بولی۔۔ "وہ مجھ سے انتقام لے رہا ہے۔ میرے ابا کا انتقام۔ میرے خاندان کے باقی مردوں کا انتقام۔" . . . دھیمے لہجے میں بتایا گیا۔ کوئی اداسی، کوئی رنج کچھ نہیں۔

"اسے شرم آنی چاہیے۔ وہ کتنا برا ہے۔"

"وہ برا نہ بنتا۔ اگر یہ دنیا اسکے ساتھ اچھی رہتی۔" عبداللہ کا دفاع کیا گیا۔

"تم تو آج بھی اسکے لئے کچھ برا نہیں سن سکتیں۔ تم آگے کیا کرو گی زینی۔؟"

"وہ اگر برا ہے تو میرے لئے، اچھا ہے تو میرے لئے، دنیا کو کیا حق ہے وہ عبداللہ کے لئے اپنی رائے دیتے رہیں۔؟"

کونج نے تاسف سے سر ہلایا۔ "عبداللہ نے تمہیں کھو کر دنیا کھو دی۔" زینیا نے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔  
"I agree"

وہ دھیرے سے بولی، اور اور پھر وہ دونوں ایک ساتھ ہنس دیں۔ ہنستے ہنستے انکی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ لیکن وہ بس پاگلوں کی طرح ہنستی رہیں۔ پیٹ پکڑے۔ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے کافی دیر تک وہ بس ہنستی رہیں۔ کافی دیر بعد جب انکی ہنسی تھمی تو زینیا ایک بار پھر لیٹ گئی۔ اب کے بالوں کو چارپائی سے

نیچے کھلا چھوڑ دیا۔ لیٹے لیٹے اسکے شہد رنگ بال زمین کی سطح کو چھو رہے تھے۔ کونج اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اسے کچھ یاد آیا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے اس رات ضیغم مجھے کہہ رہا تھا، دیکھی سے مت کھاؤ ورنہ شادی پہ بارش ہوگی۔ میں نے اس سے کہا شادی میری ہے تمہیں کیا تکلیف ہے۔؟ پھر پتہ نہیں کیوں عجیب طرح سے مسکرا رہا تھا۔"

"حلانکہ اسے تمہاری تصحیح کرتے ہوئے کہنا چاہیے تھا، شادی ہماری ہے کونج حاکم۔" زینیا نے لقمہ دیا۔

کونج پہ مانو حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ دل اتنی زور سے دھڑکا تھا کہ حد نہیں۔

"ابا نے تمہارا اور ضیغم کا رشتہ طے کر دیا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے۔؟"

"یعنی واقعی؟ . . . . رشتہ ہی طے کر دیا؟" وہ سخت حیران تھی۔ یا شاید نہیں تھی۔ اگر تھی تو یہ دل کو پریشان کرنے والی حیرانی نہیں تھی۔ آج پہلی بار یہ خوشی والی بے یقینی تھی۔

"ہاں واقعی۔" زینیا نے تائید کی۔ "مجھے تو یہ رشتہ ہر لحاظ سے مناسب لگتا ہے۔ ضیغم بہت اچھا لڑکا ہے

، پڑھتا بھی اچھا ہے۔ اور مستقبل کے بارے میں خیالات بھی اچھے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے۔؟"

کونج کو کوفت ہوئی، شاید بے چینی بھی۔ "مجھے نہیں پتہ، وہ تھوڑا عجیب نہیں ہے۔؟ یعنی مجھے بہت دیکھتا ہے۔"

"کیا اسکی نظر بری ہے۔؟" بڑی بہن کا الارم فوراً بجا تھا۔

"استغفر اللہ زینی۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"بائے داوے وہ ہینڈ سم ہے۔" زینیا مسکرائی تھی۔

"I agree"

کونج کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی، چند لمحے وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔ اور پھر اسی لمحے دونوں بہنیں ایک بار پھر قہقہے مار کر ہنسی تھیں۔

"ہم دونوں ایک گھر میں جائیں گی کتنا مزہ آئے گا زینی . . . . ."

"ہم پھپھو کو دن میں تارے دکھا دیں گے . . . . ."

"اللہ اللہ ہمارے شوہر روتے رہیں گے اور ہم اپنے کاموں میں لگے رہیں گے . . . . ."



مستقبل کے خواب، ہنسی، قہقہے، اور معصومیت سے بھرے انداز اسی طرح سے سیاہ رات اپنے اختتام کو پہنچنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح قیسم کے نیلے شیشے بارش کی بوندوں سے مزین تھے۔ موٹے موٹے قطرے شیشے کی عمارت کے سر کی اونچائی سے پھسل کر پستی کی طرف جا رہے تھے۔ قریب آ کر دیکھو تو بارش کے یہ موٹے موٹے قطرے عمارت کے شیشوں پہ ایک آرٹ کی مانند دکھتے تھے۔ ایک خوبصورت اور لاجواب آرٹ۔

قیس کبیر اپنے آفس میں تھا۔ جی بلکل اپنے کزن کو تین عدد گولیاں لگنے کے بعد بھی وہ آفس میں تھا۔ قیس کا کام اسکا جنون تھا۔ اپنی میز پہ ڈھیر سارے پنے بکھیرے، شرٹ کے بازو فولڈ کئے وہ کام میں منہمک تھا۔ ایک نیا ڈیزائن، ایک نیا شاہکار۔ کہیں ہو ہی نہ جائے تیار۔ آرٹ بلاک یو نو۔

اسی پہر آفس کا دروازہ کھلا۔ دھیمی اور مرجھائی چال چلتا ایک شخص اندر داخل ہوا۔ سرمئی سیاہ دھاری دار سوٹ کے نیچے سیاہ گول گلے والی شرٹ جھلک رہی تھی۔ چہرے پہ ڈھیروں ڈھیر شرمندگی پھیلی تھی۔

اور چال کی مسروریت کہیں دور جا سوئی تھی۔ قیس نے سر نہیں اٹھایا، وہ اسے آنے دینا چاہتا تھا۔ وہ اندر آیا چند لمحے یونہی بے مقصد کھڑا رہا، پھر اسکی آواز بلند ہوئی۔

"میرے چچا کے ایک دوست نے انکا کروڑوں کا کاروبار ضبط کر لیا۔" آدھا عرب کہانی سناتے ہوئے گلاس وال کے قریب جا کھڑا ہوا۔ "چچا نے اپنے دوست کی بہت منت سماجت کی، غصہ دکھایا پیار سے سمجھایا۔ لیکن وہ ڈھیٹ آدمی نہیں سمجھا۔" قیس گردن جھکائے کام کرتا رہا۔ یا پھر کام کرنے کی کوشش۔

"چچا تہی دامن رہ گئے۔ اور کئی سال معاشی تنگدستی میں گزار دیئے۔" اس نے سانس لینے کا وقفہ لیا۔

۔ (ڈرامہ باز نہ ہو تو) "کئی ماہ و سال بعد وہ آدمی واپس لوٹ آیا اور میرے چچا کے پیروں میں گر کر معافی مانگی۔ چچا نے اس پرانی دوستی کے صدقے معاف کر دیا۔" (اس نے معافی پہ زور دیا) "چچا کہتے تھے دوست چاہے آپ کا سر قلم کر دے، لیکن جب وہ معافی مانگنے آئے تو معاف کر دو۔" آدھا عرب جتا رہا تھا۔ قیس نے اب بھی سر نہیں اٹھایا البتہ رنگین پنسل اٹھا کر ڈیزائن میں رنگ بھرنا شروع کر دیا

ایک ادھورا بے کار ڈیزائن۔ منہمک، بے پرواہ، غیر مروت۔

براق اگلے کئی لمحے اسے دیکھتا رہا۔ وہ مشین نما آدمی کچھ نہیں بولا تو اس نے گلہ کھنکارا اور ایک اور کہانی شروع کر دی۔

"میرے ماموں کے ایک دوست تھے۔ بہت قریبی، عزیز من، جیبی ٹائپ۔ ماموں اور انکے دوست کی ایک دن کسی سیاسی مسئلے پہ بحث ہو گئی۔ پھر پتہ ہے کیا ہوا۔؟ (ایک لمبا ڈرامائی وقفہ) ماموں کے دوست نے ایک لمبا، تیز دھار چاقو انکی کمر میں گھسا دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ ماموں بیچارے کے دونوں گردے فیل ہو گئے۔" براق نے اپنے لہجے میں ساری دنیا کا دکھ سمو لیا۔ لیکن مجال ہے جو قیس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا ہو۔ ایک منٹ کے صدمے کے بعد براق ایک بار پھر بولنا شروع ہوا۔

"کئی سال ماموں نے آدھی ادھوری زندگی گزاری، نہ شادی کی نہ بچے کئے بس ایک لاش کی مانند جیتے رہے۔ لیکن پھر ایک دن جانتے ہو کیا ہوا۔؟ (ڈرامائی تاثرات ایک بار پھر) کڑکتی بجلی، برستی بارش، جان جو کھم میں ڈالتا طوفان اور ان سب کے بیچ ماموں کا دوست واپس آگیا۔ ماموں سے اپنے کئے کی معافی مانگی اور جانتے ہو ماموں نے کیا کیا۔؟" یوں لگتا تھا وہ بتانے کے لئے بے چین تھا۔

"ماموں نے اسے معاف کر دیا۔" براق حنیف نے ایک ایک لفظ پہ زور دیا تھا۔ اب کے قیس نے سیاہ آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تمہارے ابا نے کبھی تمہیں اور تمہاری ماں کو اپنے خاندان سے ملوایا ہی نہیں، پھر یہ چچا کہاں سے آگیا۔؟، تمہاری ماں اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ پھر یہ ماموں کہاں سے آگیا۔؟ جس حساب سے تم جھوٹی کہانیاں گڑھتے ہو، شیطان نے اپنے سر کی دستار اتار کے تمہارے سر پہ باندھ دینی ہے۔" وہ ایک پل کو رکا۔ "خبیث انسان۔۔" سر جھٹک کر اضافہ کیا۔ ہاتھ میں پکڑے تمام سامان میز پہ رکھ کر پاور چیئر سے ٹیک لگاتے ہوئے قیس نے اب اسے تفصیل سے دیکھا۔

"اب اپنے آنے کا اصل مقصد بتاؤ، حرف با حرف سچ۔"

"چند دن قبل جو کچھ ہوا میں تہہ دل سے اس عمل پہ شرمندہ ہوں۔" وہ کہتا ہوا آگے آیا۔ میں اپنے اس عمل کی وجہ سے کئی روز سے شب خوابی کا شکار ہوں۔" (آہ یہ گاڑھی اردو) تم میرے بہترین دوست ہو، (کرسی کھینچ کر سامنے آکر بیٹھا) "کیا میں تم سے معافی کی درخواست کر سکتا ہوں۔؟"

"تم درخواست کر سکتے ہو، لیکن یہ میرے اختیار میں ہے کہ میں تمہیں معاف کروں یا سزا دوں۔"  
 "سلطان نے گردن کڑالی۔"

"میرا یقین کرو لو سفر سو خنزیر مرے ہوں گے جب میں پیدا ہوا تھا میں . . . . ."

"I agree"

قیس نے اسکی بات کاٹی۔ "بلکہ سو خنزیروں نے خود کشی کی ہوگی، کہ اب تو ہمارا سربراہ چارج سنبھالنے آگیا ہے۔"

براق نے ایک ہزار موٹی موٹی گالیوں کو زبان پہ آنے سے روکا۔ چہرے پہ معصومیت طاری کر لی۔ "مجھے معاف کر دو جیبی۔ آئندہ میں ایسی غلطی کبھی نہیں کروں گا۔ میں تمہارا دوست ہوں یار۔" آخر میں اس نے دہائی دی تھی۔

قیس سیدھا ہو بیٹھا، دونوں ہاتھ میز پہ رکھ کر وہ آگے کو ہوا۔ سنجیدہ محظوظ آنکھیں اسکے چہرے پہ گاڑ دیں۔ "اس گھٹیا سے بھی نچلے درجے کی حرکت کی وجہ کیا تھی۔؟" وہ جاننا چاہتا تھا۔

براق کے چہرے پہ تقریباً رندھا ہوا تاثر آیا۔ "پاگل ہو گیا تھا میں، مجھے لگا تمہیں مسائل میں دھکیل دوں گا تو تم مجھے پکارو گے۔ اور پھر میں شان سے آؤں گا۔ تمہاری مدد کروں گا، اور اپنی ہی نظر میں عظیم بن جاؤں گا میں . . ."

"لیکن مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ تم کسی ذاتی عناد کی وجہ سے یہ سب کر رہے تھے۔؟" براق کی رنگت لمحے کے ہزارویں حصے میں سفید پڑی تھی۔ "پتہ نہیں کیوں براق لیکن مجھے لگتا ہے میری طرف تمہارا کوئی انتقام باقی ہے۔ تمہاری vibes میں بے سکونی ہے۔ کہہ دو میں زیادہ سوچ رہا ہوں۔" مردہ ہوتی آنکھوں اور سفید چہرے کے ساتھ براق نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"میں تم سے کسی قسم کا انتقام نہیں لینا چاہتا، . . . یار یہ دوستی کا چارم ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو تنگ کرنا، زچ کرنا، اور۔۔۔"

"برباد کرنا دوستی نہیں ہوتی براق۔" قیس نے ایک بار اسے ٹوکا تھا۔

براق اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "دیکھو قیس اب یہ زیادہ ہو رہا ہے۔ تم اپنے ابلیسی دماغ سے کچھ زیادہ سوچ رہے ہو۔ لگتا ہے تمہاری منگیتر کا عشق سر چڑھ کر بول رہا ہے۔"

"اپنی بکواس بند کرو اور آئندہ میری منگیترا کا ذکر یوں نہ کرنا۔" سختی سے تنبیہ کی گئی۔ اسی لمحے براق حنیف کی شیطانی آنکھوں میں شیطان سے بھی زیادہ گہری چمک در آئی۔ خود کو معاف کروانے کا اس سے بہتر طریقہ اس کے پاس نہیں آ سکتا تھا۔

"تمہیں اپنی منگیترا کی قسم ہے مجھے معاف کر دو، اللہ تم دونوں کو ساتھ رکھے خوش رکھے، تم دونوں ساری دنیا کا سفر ایک ساتھ کرو، تم . . . ."

"معاف کیا۔۔" سنجیدہ ٹھہری ہوئی آواز پہ براق کا دل بلیوں اچھلا تھا۔ اسکا جی چاہا تھا قیس کا ماتھا چوم لے (نہیں یہ آوٹ آف کریکٹر ہو جائے گا) ارادہ ملتوی کرتے ہوئے اس نے پر جوش قدم باہر کی جانب بڑھائے، دروازے سے آدھا باہر اور آدھا اندر رک کر اس نے قیس کو پکارا۔

"اللہ تم دونوں کو ایک دوسرے کے لئے نیک کرے۔۔" چند لمحے دروازے پہ رک کر دعا کے رسیلائی کی امید کرتا رہا، چند پل بعد مایوس ہو کر پلٹ گیا۔

"آمین۔۔" اسکے جانے کے بعد قیس کے لب دھیرے سے پھڑپھڑائے۔ سر جھٹک کر وہ دوبارہ کام پہ لگ گیا۔ اب کی بار وہ خوش تھا نہ جانے کیوں؟



"میں اسے اپنی آنکھوں کے سامنے برباد ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں وہ پل پل روئے، میں اسے روتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں، میں اسکے سارے خاندان کو رلاؤں گا۔ میں کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔ وہ چیخ چیخ کر کہتا زمین پہ بیٹھ گیا تھا۔ جلی ہوئی ہتھیلی میں ایسی جلن اٹھی تھی کہ الامان۔"

بیس سالہ مہدی اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ یہ کمرہ آج کے کمرے سے مختلف تھا۔ دیواروں پہ پینٹ مختلف تھا، نیلی روشنی ندارد، بیڈ گول ڈیزائن کا تھا، اور سب سے بڑی بات ابھی اسکے گھومے جانے والے ملکوں کی تعداد بہت کم تھی۔ لیپ ٹاپ گود میں رکھے وہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ دفعتاً اسکے کمرے کا دروازہ کھلا۔ سیاہ نائٹ سوٹ میں ملبوس بالوں کو گول مول باندھے، سنہری آنکھوں میں پریشانی لئے، میرہ سرور کمبیر اندر آتی دکھائی دی۔ مہدی اسے آتے دیکھ مسکرایا تھا۔ اور اپنے قریب اسکے لئے جگہ بنائی۔

"آجاؤ آجاؤ۔ تم نے ڈگری کیا لے لی، بھائی کو ہی بھول گئی۔۔" وہ ان گزرے وقتوں میں بھی ایسا ہی تھا۔ سادہ، پر خلوص، محبت بانٹنے والا۔ میرہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اسکے قریب چلی آئی۔ بیڈ کی پائنٹی پہ غیر آرام دہ سی ہوئی وہ انگلیاں چٹخا رہی تھی۔ مہدی نے سبز آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"آپا کیا ہوا ہے۔؟" وہ متفکر ہوا۔

"میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔" اس نے تمہید باندھی۔ مہدی سنجیدہ ہو گیا۔ کئی لمحے خاموشی میں

گزرے وہ الفاظ متجمع کرتی رہی۔ پھر دھیرے سے چند الفاظ اسکے لبوں سے ٹوٹ کر نکلے۔

"انس . . . میں . . . میں شادی کر رہی ہوں۔" مہدی کو شاک سا لگا تھا۔ "محب ملک، میرا یونیورسٹی

فیلو ہے۔ وہ آج کل چائنا ہوتا ہے۔ وہ ایمبیسڈر بن گیا ہے۔ میں . . ."

"فورا انکار کر دو۔ تم اس سے شادی نہیں کر سکتیں۔" وہ حد سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ "تم ایسے کیسے شادی

کر سکتی ہو . . . اور شادی کر کے اتنی دور جاؤ گی۔؟ تم جانتی ہو اماں ابا کی موت کے بعد میرا

خاندان تم ہو۔" مہدی کو گویا اسکی بات سمجھنے میں دقت ہوئی ہو۔

میرہ نے بے چینی سے اسے دیکھا۔ "میں ناں نہیں کہہ سکتی مہدی۔ ایک نہ ایک دن مجھے شادی کرنی تو

ہے ناں۔ پھر آج کیوں نہیں۔؟"

"تم اس سے شادی اس لئے کر رہی ہو ناں تاکہ یہ ملک چھوڑ کا جا سکوں۔؟ وہ آدمی مجھ سے ضد رکھتا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا تھا وہ تمہیں جیتے گا اور اب وہ وہی کر رہا ہے۔ تمہیں چناؤ کرنا ہو گا۔ میں یا محب۔ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔" آخر میں وہ بڑبڑایا۔

میرہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ اسے قیس یاد آیا تھا۔ اسے اپنے معذور چچا نظر آئے، اسے اس گھر کا ہر بسمل نظر آیا۔ اور پھر مہدی نے اسے کھڑے ہوتے دیکھا۔

"میں اس گھر میں ایک بسمل بن کر نہیں رہ سکتی۔ جلد یا بدیر مجھے فیصلہ لینا ہی تھا۔ میں یہاں سے جا رہی ہوں مہدی۔۔" (وہ تو اسے انس کہتی تھی ناں۔؟)

"تم مجھے چھوڑ رہی ہو۔؟" اسکا لہجہ زخمی ہوا تھا۔

"میں خود کو چن رہی ہوں۔"

"تم نے اسے کسی قابل نہیں چھوڑا مہدی، وہ تمہیں اس نام سے بلاتی رہی جو تمہارا فیورٹ ہے لیکن تم نے اسکی ایک نہ سنی۔ وہ ایک فون کال اس لڑکی جو جیتے جی مار گئی ہے۔"

بیجنگ (چائنا کا دار الحکومت) کے ایک آرام دہ، اور شاہانہ فلیٹ کے لاؤنج میں اس وقت میرہ کسیر ڈبل سیٹر صوفے پہ بیٹھی تھی۔ آنکھیں سرخ تھیں، چہرہ گیلا متواتر بہتے آنسوؤں نے اسکا گلا بھاری کر رکھا تھا۔ گزری وقتوں نے اسکے خوبصورت چہرے کو بے کشش کر رکھا تھا۔

محب کے ساتھ گزرے چھ سالوں میں اس نے ایک دن بھی محبت یا آرام کا نہیں دیکھا تھا۔ وہ واقعی اس سے ضد کر کے لایا تھا۔ یوں نہیں تھا کہ وہ اسے وقت نہیں دیتا تھا، محبت نہیں دیتا تھا۔ بات یہ تھی کہ اسکا شوہر اسکے میکے سے مقابلے بازی نہیں چھوڑتا تھا۔ اسے آئے دن پرستش چاہیے ہوتی تھی۔ وہ مردوں کی اس قسم میں سے تھا جنکو اپنے سسرال سے عظیم بننے کا جنون سوار ہوتا ہے۔ اور یقین جانیں یہ مردوں کی بدترین قسم ہوتی ہے۔

میرہ نے چھ سال اپنے خاندان کو یاد کیا تھا۔ اس نے چھ سال اپنے واحد دوست کو یاد کیا تھا۔ ان چھ سالوں میں وہ چھ لاکھ مرتبہ تڑپی تھی۔، پچھتائی تھی۔ لیکن واپسی کی تمام راہیں مسدود تھیں۔ بسمل وہ آج بھی تھی۔ بس اسلام آباد کے محل سے بیجنگ کا فلیٹ بدلا تھا۔ پچھتاوے، تکلیف، رنج اور خاندان کی یادیں ان تمام جذبات میں گھرے آنسو بہاتے ہوئے آج ایک بار پھر ایک بسمل کی رات جاگ کر گزر جانی تھی۔

"میں اسے ٹوٹتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں، میں چاہتا ہوں وہ برباد ہو جائے۔"

ماضی میں کمرہ بدل چکا تھا۔ یہ میرہ سرور کا کمرہ تھا۔ وہ پلنگ سے پیر نیچے لٹکائے بیٹھی تھی۔ لباس شکن آلود، بال بکھرے ہوئے، چہرہ زد۔ نظر گھما کر دیکھو اور مہدی گھٹنوں کے بل اس کے پیروں کے قریب بیٹھا دکھائی دے گا۔ ایک بھائی اپنی بہن کا بھلا چاہتا تھا۔

"دیکھو آپا پلیز یہ شادی مت کرو۔ وہ . . وہ آدمی مجھ سے انتقام لے رہا ہے۔ .... " وہ سرخ گیلی آنکھیں لئے ملتی انداز میں کہہ رہا تھا۔ "جب اس نے تمہیں پہلی بار پروپوز کیا تھا۔ تب یاد ہے تم نے اسے میری وجہ سے منع کر دیا تھا۔ اور . . . اور جب تم دونوں کی پہلی لڑائی ہوئی تھی اسکی وجہ بھی میں تھا۔ وہ مجھ سے مقابلہ کرتا ہے۔ تم اسکی انا کا مسئلہ ہو۔ محبت نہیں۔"

میرہ نے دھیرے سے اپنے ہاتھ چھڑائے۔ سنجیدہ نظریں مہدی کی گیلی آنکھوں پہ گاڑ دیں۔ "مہدی کبیر۔ (اسکی آواز سرگوشی جیسی تھی۔) میں نے تمہیں پالا ہے۔ تمہاری ماں بن کر۔ میرے باپ بننے کی کوشش مت کرو۔ (سفاکی اس خاندان پہ ختم ہوتی تھی۔) میں یہاں سے جاؤں گی۔ اس خاندان سے دور

، اس نحوست سے دور ، یہاں کی تکالیف سے بہت دور۔ کیونکہ میں میرہ سرور مجھ پہ سب سے زیادہ حق میرا ہے۔"

"وہ تمہیں ہرٹ کرے گا۔" زکام زدہ تنبیہ۔ "وہ تم سے مقابلے کرے گا۔ وہ ایک اچھا مرد نہیں ہے۔ اپنے ساتھ ظلم مت کرو۔ اپنے فیصلے پہ نظر ثانی کرو۔"

"نظر ثانی مشوروں پہ کی جاتی ہے۔ فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ ان میں پیچھے مڑ کر دیکھنا جائز نہیں ہوتا۔" "میں تمہیں اس طرح دلدل میں گرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا، تم میرے ہوتے ہوئے یہ قدم نہیں اٹھا سکتی۔"

"کس نے کہا ہم ساتھ ہیں مہدی۔ لو میں نے تمہیں چھوڑا۔۔" لہجہ نہیں چابک تھا۔ بات نہیں سانس کی ڈور تھی، جو کٹ گئی۔

چند لمحے مہدی یونہی اسکے قدموں کے قریب بیٹھا رہا۔ کئی سانسیں بے یقینی میں لی گئیں۔ کئی لمحے سوگواری میں گزرے۔ فضاؤں میں ٹوٹے دل کا کرب رچ بس گیا۔

"آج حال میں تم مجھے ڈس اون کر رہی ہو، کبھی مستقبل میں، میں تمہیں ڈس اون کر دوں تو مجھے یقین ہے کوئی گلہ باقی نہیں ہو گا۔" "ہک ہا، آگیا تھا وہ اپنے The mean kambeers والے عمل پہ۔ ماضی چھ سال بعد ایک فون کال کی صورت سامنے آتا ہے۔ اور جو ہوا کیا مجھے تمہیں بتانے کی ضرورت ہے۔؟"

"حالانکہ تم ایسا نہیں چاہتے۔ تم اس رات بھی اسے روتے ہوئے سن کر خوش نہیں تھے۔" قیس کی بات پہ اس نے دھیرے سے آنکھیں بند کر لیں۔

"آجاؤ انس . . . پلیز ایک بار مجھ سے ملنے آؤ۔ اپنی بھانجی سے ملنے آؤ۔ اسے تم سے بہت محبت ہے۔ مجھے تم سے بہت محبت ہے۔ پلیز انس آجاؤ۔" وہ رو رہی تھی۔ ہچکیاں لے لے کر، ماضی کے غم، حال کا سوگ اسکا دل چیر رہے تھے۔

"تم کیوں نہیں آتیں۔؟ گوادر آ رہی ہو ناں۔ اپنے شوہر کو چھوڑ کر اسلام آباد آؤ۔ تم نے چھوڑا تھا تو تم پہل کرو۔ میں تمہارے لئے نہیں آؤں گا۔"

"میں نہیں آ سکتی انس میں نہیں آ سکتی۔ مجھے تم سے کوئی انا نہیں کوئی ضد نہیں . . . لیکن . . ."



"تمہارے شوہر کو ضد ہے۔" مہدی نے اسکا جملہ مکمل کیا۔ "وہ چاہتا ہے کہ میں وہاں آؤں تاکہ اسکی انا کو تسکین ملے، اور اگر تم اسلام آباد آئیں تو وہ تمہارے طعنوں میں مزید اضافہ کر دے گا۔ وہ مقابلے کرنے والا مرد ہے۔ میں نے تمہیں وارن کیا تھا میرہ محب ملک۔۔"

"آپ کے گھر کی عورتیں جب غلطی کر گزریں تو مشورے نہیں حل دیتے ہیں انس۔"

"لڑکیاں اگر غلطی کریں تو بعد میں یہ گٹس رکھیں کہ انکو اون بھی کر سکیں۔ اپنے گھر کے مردوں سے یہ امید نہ رکھیں کہ وہ ہمیشہ کندھے دے کر انکو کھڑا کریں گے۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"مردوں کا دل بڑا ہوتا ہے انس۔۔"

"بڑا چھوٹا کہاں سے آگیا دل تو دل ہوتا ہے ٹوٹ جائے تو پھر مشکل سے جڑتا ہے۔ ایک غلط مرد تمہاری غلطی تھی۔ میں تم اسے چھوڑ کر آؤں میں تمہیں پناہ دوں گا، لیکن اگر تم اسے خوش رکھنے کے چکر میں تم مجھے اسکے سامنے جھکانا چاہتی ہو تو ایسا نہیں ہوگا۔ اسے خوش رکھنا تمہارا مسئلہ ہے میرا نہیں۔"

میرہ کے دل پہ دھکا لگا تھا۔ اسکا بھائی اتنا خود غرض کب ہوا۔؟

"بھائی تو سسرال میں بہنوں کا مان رکھتے ہیں۔ انکی غلطیوں کو ڈھکتے ہیں۔ تم کون ہو مہدی۔؟ تم کیسے بھائی ہو۔؟" وہ بلند آواز میں روتے ہوئے با مشکل بول رہی تھی۔

"تمہاری شادی میں تمہارے گھر سے شریک ہونے والا واحد مرد میں تھا۔ تمہاری بیٹی ہونے پہ مٹھائیاں بانٹنے والا سارے خاندان سے مبارک بعد وصول کرنے والا میں تھا۔ ہر عید، تہوار پہ کیکیں اور فون کال میری طرف سے آتی ہے۔ تم اس سے زیادہ کیا چاہتی ہو۔؟" وہ اس پائنٹ پہ واقعی بے بس ہوا تھا۔

"بھائی مان دیتے ہیں۔ لیکن بہنوں کو بھی چاہیے کہ اپنی عزت کے لئے بھائیوں کو مت جھکائیں۔ اور یہ پلیز میرے سامنے رویا مت کرو۔ برا لگتا ہے۔" اس نے کال کاٹ دی، لیکن بہن کی سسکیاں نہیں بھول سکا۔

اسے ہرٹ ہوتا تھا جب وہ روتی تھی۔

"تم اسے روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔" یقین سے کہا گیا۔

"ہاں میں نہیں دیکھ سکتا۔۔" ساری ضد، سارا تنٹنا، سارا تنفر دور جا سویا۔ ایک عام مرد اعتراف کے محلے میں تھا۔

اسلام آباد کی فیصل مسجد کے وسیع رقبے پہ پھیلے میدان میں اس وقت کئی لوگ آ جا رہے تھے۔ نسبتاً کونے والے گوشے میں اس وقت ایک ٹولی سی جمع تھی۔ سفید چادریں بچھائے کچھ لوگ وہاں تقریب میں شامل ہونے آئے تھے۔

محب ملک اور میرہ سرور کے نکاح کی تقریب۔ وہ تقریب جس میں میرہ کے گھر کا کوئی فرد نہیں تھا۔ میرہ سفید زردوسی کے کام والے جوڑے میں ملبوس وہ احاطے میں یہاں سے وہاں گھوم رہی تھی۔ خوبصورت چہرہ نوک پلک سنوار لینے سے مزید خوبصورت نظر آ رہا تھا۔ لیکن آنکھیں اداس تھیں۔ کال مل گئی تھی۔ اور رکے ہوئے آنسو روانی سے بہہ نکلے۔ ذرا فاصلے پہ اسکا ہونے والا شوہر اپنے دوستوں کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔

"مہدی آ جاؤ پلیز۔ مجھے اس ذلت سے بچا لو۔ پلیز مہدی۔ میرے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہونے کے لئے میرے گھر کے کسی مرد کو آنا چاہیے۔ پلیز۔"

اپنے بیڈ پہ لیٹے بکھری حالت والے مہدی کے دل پہ قیامت گزر گئی۔ وہ اسے اس طرح نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"میں نے جو کچھ کیا ہے مجھے اسکے لئے معاف کر دو، تم چاہے مجھ سے تعلق نہ رکھنا لیکن بس آج آجاؤ۔"

اس نے کال کاٹی۔ اور اٹھ بیٹھا۔ سرخ آنکھیں بکھرا حلیہ سب اس سے سوال کرتے تھے۔ وہ جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں لگتا تھا۔ اگلے ایک گھنٹے میں وہ اسی احاطے میں تھا۔ اپنی بہن کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا تھا۔ ہاں وہ اسے روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"تم اسے خوش دیکھنا چاہتے ہو آباد پر سکون۔"

"ہاں میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔" قیس کی ساحرانہ باتیں اس پہ جادو کر رہی تھیں۔

میرہ کے یہاں بیٹی ہونے والی تھی۔ ان دنوں وہ پاکستان میں تھی۔ محب کی اماں کے ساتھ۔ لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز وہ پلیٹ سے فروٹس کے ٹکڑے اٹھا اٹھا کر کھا رہی تھی۔ چہرے پہ زاری تھی۔ ایک تو موڈ سونگس، دوسرا شوہر کی غیر موجودگی اور تیسرا ساس کی موجودگی۔

"ویسے کمال ہی ہے۔ دو تین بعد تمہارے یہاں بیٹی ہونے والی ہے۔ اور تمہارا خاندان ہے کہ آج تک مڑ کر پوچھا نہیں۔" اسکی ٹپ ٹاپ رہنے والی ہارڈ کور فیمنیسٹ ساس عورتوں کے تمام حقوق بالائے طاق رکھتے ہوئے اس پہ چڑھ دوڑی تھیں۔ حقوق تو بس مردوں سے لینے ہوتے ہیں ناں۔

میرہ خاموش رہ گئی تھی۔ دل خراب ہوا تھا۔ بے کلی حد سے سوا ہونے لگی۔ اسی لمحے میرہ کی ملازمہ خاص تمھیں مہدی کا نمبر ڈائل کرتی نظر آئے گی۔ اگلے چند دنوں میں وہ ہسپتال میں تھا۔ اسکے ہاتھوں میں گول مٹول سی بچی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ ایک اچھوتا احساس تھا جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ ایک صوفے پہ قیس بھی بیٹھا تھا۔ صاف ظاہر تھا وہ یہاں لایا گیا ہے۔ آنکھوں میں ڈھیر ساری بے زاریت اور انداز میں بے پرواہی لئے وہ میرہ کے سسرال والوں کے ایک ایک عمل کو نوٹ کر رہا تھا۔ میرہ آنکھوں میں ڈھیر ساری ممنونیت لئے اپنے دونوں بھائیوں کو دیکھ رہی تھی۔ مہدی کمبیر اب بچی کے کانوں میں اذان دے رہا تھا۔

"نام کیا رکھنا ہے۔؟" تھوڑی دیر بعد میرہ کی چھوٹی نند کے پوچھنے پہ سب سوچ میں پڑے تھے۔

"ایزل یعنی خدا کا تحفہ۔۔" جواب قیس کی جانب سے آیا تھا۔ اس جواب کے بعد وہ ایک بار پھر لا تعلق ہو گیا۔ ایزل محب ملک۔ مہدی مسکراتے ہوئے بڑبڑایا۔ دو مردوں کے آنے سے میرہ کے سسرال پہ مرعوبیت طاری ہوئی تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی خوش اور آباد تھی۔

مہدی اسے اسی طرح دیکھنا چاہتا تھا۔

"تم اس سے بے حد محبت کرتے ہو۔" بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا شخص جتا رہا تھا۔

پی سی گوادر کے سویٹ کی بالکنی سے سبز آنکھوں والا مرد باہر جھانک رہا تھا۔ داخلی دروازے سے کوئی مرد اور اسکی فیملی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ سنہری آنکھوں والی میرہ اور اسکے ساتھ چلتا محب ملک جو کہ دو دنوں سے یہیں تھا۔ بس اسکی بچی اور بیوی آج پاکستان آئے تھے۔ میرہ نے اپنی پانچ سالہ بیٹی کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ پھول دار فراک میں ملبوس ایزل کی سبز آنکھیں بالکل مہدی جیسی تھیں۔ وہ بار بار اپنی ماں کا ہاتھ چھڑا کر بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مہدی نے اندازہ لگایا اسے نئی چیزیں دیکھنے کا شوق تھا۔

۔ ٹریولر ماموں کی ٹریولر بھانجی۔

کئی معتبر شخصیات محب کے ارد گرد چلتے ہوئے آرہے تھے۔ گارڈز کا جال اطراف میں پھیلا تھا۔ وہ معتبر آدمی تھا، اسکے تعلقات تھے، معاشرے میں اسکا مقام تھا۔

اسی لمحے ایزل نے انگلی کے اشارے سے مہدی کو نشانہ بنایا۔ "ماما وہ دیکھیں مہدی ماموں۔۔" میرہ نے تیزی سے گردن اٹھا کر دیکھا۔ لیکن خالی بالکنی اسکا منہ چڑا رہی تھی۔ محب کی تیوری چڑھ چکی تھی۔ وہ اپنی بیوی کے کان کے پاس جھکا۔ "نہیں آنے والے تمہارے بھائی صاحب۔ انتظار چھوڑ دو بی بی۔" دنیا کی نظر میں ڈسینٹ، بیپیوڈ اور مینرڈ انسان کا اصل یہ تھا۔

بالکنی سے اندر آتے مہدی نے اپنے اندر تقویت اترتی محسوس کی۔ سکون تھا، جو اسے دیکھ کر ملا تھا۔ محبت تھی جو کبھی کم ہوئی ہی نہیں تھی۔

"میں اس عورت سے ساری دنیا سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔" اب کے چند آنسو اسکے گال پہ لڑھک گئے۔ بے بسی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے وہ بڑبڑا رہا تھا۔ یہ مہدی اس انتقامی مرد سے مختلف تھا۔ ہارا ہوا۔ شکستہ۔



یہ مہدی کا اس سویٹ میں آخری دن تھا۔ میرہ ایزل کا ہاتھ پکڑے لابی سے باہر جاتی نظر آ رہی تھی۔ برانڈڈ لباس، پیروں میں اونچی ہیل، آنکھوں پہ سیاہ چشمہ وہ کافی عجلت میں لگتی تھی۔ مہدی کسی پلر کی اوٹ میں کھڑا چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اور پھر ویٹر کو اشارہ کیا ایسے جیسے کہا ہو۔ رول، کیمرہ، ایکشن۔

"میڈم آپ کے سویٹ میں آپ کچھ بھول گئی ہیں پلیز چل کر چیک کر لیں۔" ویٹر کے ادب سے کہنے پہ اسے کوفت ہوئی تھی، البتہ ایزل کو وہیں بٹھا کر وہ ویٹر کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ اسی لمحے مہدی کمبیر پلر کی اوٹ سے باہر آیا۔ ایزل نے اسے اپنے سامنے کھڑے ہوئے دیکھا۔ مہدی اسکے قریب نہیں جاسکا۔ اسے اس بچی کی آنکھیں معتبر معلوم ہوئیں، اسے خون کی یہ کشش خوف زدہ کر گئی۔ ایزل نہ جو نہی اسے دیکھا، اسکی آنکھوں میں بے پناہ جذبات اٹھ آئے، وہ چمکتے چہرے اور مسکراتی آنکھوں سے خود خود ہی بھاگتی ہوئی آئی اور اسکی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔ کئی لمحے تو مہدی سانس بھی نہ لے سکا۔ وہ اسے ویڈیو کالز پہ روزانہ دیکھا کرتا تھا۔ بات کیا کرتا تھا۔ لیکن وہ اسے چھو نہیں سکا تھا۔ یہ کیسا لمس تھا۔؟ یہ کیسا تعلق تھا۔ جو اسکے دل کو چند پل میں سحر زدہ کر گیا تھا۔ مہدی نے جھک کر اسے اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور پھر سینے سے لگا لیا۔ لمس ایک نری جنت جیسا تھا۔ اس کے رگ و پے میں سکون دوڑ گیا۔ ہاں اسے اپنی بہن سے محبت تھی۔ اسی محبت کے تحت اسکی اولاد سے بھی محبت تھی۔ وہ اسے سینے سے لگائے کئی

لمحے اسے محسوس کرتا رہا۔ وہ اپنے باپ کی پر تو تھی۔ ماموں سے آنکھیں لی تھیں لیکن ماں سے بس خون۔ اور اس خون کی تاثیر اتنی تھی کہ مہدی کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ کئی لمحے بعد وہ اسکے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ وہ آنکھوں میں چمک لئے اسے بہت کچھ بتا رہی تھی۔ مہدی مسکراتے ہوئے سن رہا تھا۔

"ماموں آپ کی اور میری آنکھیں ایک جیسی ہیں سیم سیم۔۔" وہ اپنی آنکھوں کو ضرورت سے زیادہ کھول کر دکھا رہی تھی۔ مہدی مسکرایا۔

"تمہاری گھومنے اور ایک جگہ ٹک کر نہ بیٹھنے کی عادت بھی میرے جیسی ہے سیم سیم" ایزل اسکی بات پہ کھلکھلا دی۔

یوں تو ہم دن میں کئی بچوں کو دیکھتے ہیں، لیکن یہ جو ہمارے بہن بھائیوں کے بچے ہوتے ہیں ناں، انکو دیکھ دیکھ کر جی نہیں بھرتا۔ یہ خوبصورت ہوں یا نہیں دنیا کا سارا حسن ہمیں انہی بچوں میں نظر آتا ہے۔

"اوکے سو تم اپنی مام کو نہیں بتاؤ گی کہ میں تم سے ملنے آیا تھا۔۔"

Top secret" یو نو۔؟" ایزل مسکرائی تھی۔ اور اپنے ہونٹوں پہ انگلی پھیر کر گویا زپ لگالی ہو۔

مہدی مزید کافی دیر اس سے بات کرتے، اسے دیکھتے رہنا چاہتا تھا۔ جب اسے دور سے میرہ آتی دکھائی دی۔ وہ فوراً اٹھا کھڑا ہوا۔ جھک کر ایزل کے دونوں گال چومے۔

“ Until we meet again”

اس نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔ ایزل بھی منہ بسورے اداس آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"آپ Lantern festival میں آؤ گے ناں۔؟ ممی ہر سال آپ کے آنے کی وش کرتی ہے۔" وو

عجلت میں "ہاں ہاں آؤں گا۔" کہتا ہوا غائب ہو گیا۔ اس بات سے انجان کہ بچے وعدہ نہیں بھولتے۔

اور اس بات سے بھی انجان کہ ہر بچے کے لئے اسکے پیرنٹس اور ٹیچر کمفرٹ ہوتے ہیں۔ اور بچے ٹاپ سیکرٹس اپنے کمفرٹ سے شیئر کر ہی لیتے ہیں۔

بہن اور بھانجی کی محبت نے اسے بہت کچھ بھلا دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"نکاح آج ہو گا زینی۔۔"

خبر ایک ہتھوڑے کی مانند اس کے سر پہ برسی تھی۔ چند پل کے لئے تو زینیا حاکم سانس بھی نہ لے سکی۔ دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑی کونج بھی اسکے جتنی ہی حیران تھی۔ لیکن نہیں اسکی سانس یوں نہیں رکی تھی۔ کسی نے اس سے عبداللہ تھوڑی چھینا تھا۔

"اماں یہ کیا کہہ رہی ہے۔؟" زینیا نے خالی خالی نظریں اٹھا کر اپنی ماں کو دیکھا، وہ جو اس سے ذرا ہی فاصلے پہ بیٹھی تھیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بیٹی کا ہاتھ تھام لیا۔

"بالاج کو کل صبح سویرے سعودی عرب نکلنا ہے۔ اسکے مالک نے اسکے لئے ٹکٹ بھیجی ہے۔ اور وہ بتا رہا تھا کہ اسکا مالک سخت بیماری میں بستر سے لگ چکا ہے۔ اگر بالاج کل تک نہ گیا تو اسکی جگہ کسی اور کو بھیج دیا جائے گا۔" بولتے بولتے وہ رکیں زینیا کی زخمی نظروں میں دیکھا۔ پھر دھیرے سے اضافہ کیا۔

"یہ نکاح کی شرط بھی ہم نے رکھی ہے ورنہ وہ تو ابھی کے ابھی کراچی کے لئے نکل رہا تھا۔ جو نکاح چار دن بعد ہونا ہے، وہی اگر آج ہو جائے تو کیا حرج ہے گودی (محبت کا طرزِ مخاطب)۔؟"

"بات آج یا کل کی نہیں ہے اماں، بات میری ہے۔ عبداللہ سے میرا رشتہ بھی ایک معاہدہ تھا۔ اور بالاج سے شادی بھی ایک معاہدہ۔ میری قربانی کب تک دیتے رہیں گے آپ لوگ۔؟"

اسکا لہجہ بلند ہوا۔ "بالاج کو چاہیے تھا ہر چیز سے اوپر مجھے رکھے، ہر کاروبار سے زیادہ ضروری مجھے رکھے اور وہ کیا کر رہا ہے اماں۔؟ وہ میرے ساتھ معاہدے کر رہا ہے۔" نہ جانے کہاں سے چند آنسو اسکی آنکھوں میں بھر آئے۔ لیکن مجال ہے جو اس ڈھیٹ نے کرنے دیئے ہوں۔

"تمہیں مسئلہ کس بات سے ہے زینی۔؟ عبداللہ والے معاہدے کے ٹوٹنے سے۔؟ یا پھر بالاج کے ساتھ معاہدہ برقرار رہنے سے۔؟ جانتی ہوں تکلیف کیوں ہو رہی ہے تمہیں۔ چار دن مزید عبداللہ کا سوگ نہیں مناسکتیں تم ہے ناں۔؟" ان کا لہجہ بلند نہیں تھا پھر بھی زینیا کو اپنے کان پھٹتے محسوس ہوئے۔ حقیقت کا تھپڑ بہت زور سے لگا تھا۔

"میں عبداللہ کو بھول چکی ہوں اماں۔۔۔"

"یعنی نہیں بھولی۔۔۔" طنز کیا گیا۔ زینیا بس لب بھینچے آنسو روکے انہیں دیکھتی رہی۔

"عورت یوں چلا چلا کر بتاتی نہیں ہے کہ وہ فلاں کو بھول گئی اور فلاں کو یاد رکھا ہے۔، عورت اپنے رویے سے جتا دیتی ہے۔ جسے بھلا دیتی ہے اسکا نام تک زبان پہ نہیں لاتی، یوں اسے نظر انداز کرتی ہے

جیسے اسکا وجود ہی نہ ہو۔" انہوں نے چہرہ ساکن بیٹھی زینیا کے قریب کیا۔ "اگر تم نے عبداللہ کو بھلا دیا ہوتا آج بالاج سے پہلے اسکا نام نہ لیتیں۔"

زینیا شل رہ گئی۔ وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی۔ اماں جس طرح آئیں تھیں اسی طرح چلی گئیں۔ زینیا حاکم ابھی تک ششدر تھی۔ کیا ماؤں کے پاس غیب کا علم ہوتا ہے۔؟

"چند گھنٹے بعد"

(میز کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھی زینیا کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ میز پہ دھری ڈائری میں الفاظ درج کرتے ہوئے وہ خوش تھی۔۔ "میں زینیا حاکم ہوں، میں گوادر سے اسلام آباد ذمہ داریاں لے کر جا رہی ہوں۔

میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ مجھے ثابت قدم رکھے، زینیا کو سرخرو کرے۔۔")

وہ لڑکیوں کے جھرمٹ میں بیٹھی تھی۔ سرخ رنگ کا بھاری کامدار لگھا پہنے، بالوں کی ڈھیلی چٹیا بنائے، سر پہ ماتھا پٹی اور گلے میں دھری (ایک قسم کا روایتی زیور جسے اردو میں نو لکھا ہار کہا جاتا ہے۔) ہاتھوں میں سونے ہی کے کنگن تھے۔ کانوں میں بھاری جھمکے، وہ آج حد سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ چہرے پہ ایک الگ سا نکھار تھا۔ سرخ رنگ زینیا حاکم کے لئے بنا تھا۔ لڑکیاں اسکے قریب جھرمٹ بنائے بیٹھی

تھیں۔ کچھ دیر میں اسکا نکاح تھا۔ لڑکیاں فرمائش کر رہی تھیں۔ نکاح کے وقت لڑکی کی ہر دعا قبول ہوتی ہے، بڑی بوڑھیوں کے قول کو سچ کرتی ساری لڑکیاں اپنی فرمائش کر رہی تھیں۔ زینیا مسکراتے ہوئے ان سب کی باتیں سن رہی تھیں۔

"تم بتاؤ بختو تمہاری کیا دعا ہے۔؟" اس نے نرمی سے ایک سولہ سترہ سالہ لڑکی کو مخاطب کیا۔ بختو نامی لڑکی نے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "مجھے شادی یا منگنی نہیں چاہیے۔ تم بس اچھا پڑھ کر آنا زینیا باجی، تم ہمارے لئے راستے کھولو گی۔" اس کے چہرے پہ دبا دبا جوش تھا۔ "تم خاندان کی پہلی لڑکی ہو جو دوسرے شہر جا کر پڑھے گی، جب ابا نے یہ بات سنی تو مجھے کالج جانے کی اجازت دے دی۔ اب اگر تم کامیاب ہو کر آؤ گی۔ تو خاندان کی ساری لڑکیوں کے لئے کامیابی کے دروازے کھل جائیں گے۔"

وہ چھوٹی سی لڑکی بہت بڑی بات کہہ رہی تھی۔ زینیا نے مسکرا کر آنکھیں جھپکائیں۔ گویا تسلی دی ہو، گویا خاندان کی ساری لڑکیوں کا بیڑہ اپنے سر پہ اٹھا لیا ہو۔

("میں نے ہر رشتے کے ساتھ وفاداری نبھائی ہے، چاہے وہ عبد اللہ ہو، ابا ہو، بشر ہو یا پھر زینیا حاکم خود")

--



"عبداللہ اگر اب کبھی واپس آئے گا۔ تو کم از کم میری گردن اسکے سامنے جھکی ہوئی نہ ہوگی۔ میں نے عبداللہ کے تمام فرائض ادا کئے۔ میں نے اس کے ساتھ وفاداری نبھائی۔ اس نے مجھے کھو کر اپنی ساری عمر کو خسارہ کیا۔ ہاں میرے دل میں ایک کسک ساری زندگی رہے گی، عبداللہ آجاتا تو میری فیری ٹیل بھی سچ ہوتی، پریوں کی کہانی پہ میرا یقین بڑھ جاتا۔ لیکن شاید کچھ لڑکیوں کے لئے ملکہ بد کی کہانیاں لکھی جاتی ہیں۔ جہاں محبت، ہمسفر، امیدیں سب کچھ شہزادی خود ہوتی ہے۔ اسکے لئے کوئی شہزادہ نہیں ہوتا۔ آج میں زینیا حاکم اپنے دل سے عبداللہ کی تمام یادیں نکال رہی ہوں۔ میں بالاج میر کی زندگی میں pure ہو کر جاؤں گی۔

عبداللہ کا باب تمام ہوا۔۔۔"

عورتوں کا جھر مٹ، ڈھول کی تھاپ اور ڈھیر سارے شور کے درمیان اینہ بیگم بیٹھک کی طرف جا رہی تھیں۔ کسی بچی نے بتایا تھا کہ انکے لئے فون آیا ہے۔ وہ عورتوں کے درمیان راستہ بناتی ہوئی بیٹھک چلی آئیں۔ فون کو کان سے لگاتے ہوئے وہ جتنی بے پرواہ تھیں۔ فون کے اس پار وہ نام سن کر وہ اتنی ہی بے چین ہوئیں تھیں۔

"عبداللہ بات کر رہا ہوں۔" بلوچی زبان میں کہے گئے یہ الفاظ انکی جان نکال گئے تھے۔ کتنے سال، کتنا عرصہ، کتنی ساعتیں انہوں نے اپنے محبوب بھتیجے (بھائی کے بیٹے) کی آواز سننے کے انتظار میں گزار دیے تھے۔ کیا یہ وہی عبداللہ تھا جسے قدم قدم چلنا سکھایا تھا۔؟ جسے بولنا سکھایا۔؟

"میں نے یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ کہ میں دو ڈھائی سال تک شادی کا ارادہ رکھتا ہوں۔۔" اس نے ایک بار پھر اضافہ کیا۔ امینہ بیگم سانس نہیں لے سکیں۔ وہ وعدہ دے رہا تھا۔ عبداللہ آنے کی نوید سنا رہا تھا۔ لیکن کیا دیر نہیں ہو چکی تھی۔؟ شہزادے نے گھوڑے کی لگامیں کس لی تھیں، اور شہزادی کسی اور دیس سدھار رہی تھی۔

"آواز آ رہی ہے۔؟" اس نے کنفرم کرنا چاہا۔

"اب مت آنا عبداللہ۔" تنبیہ، منت، سختی، التجا ان سب کو ملاؤ تو امینہ بیگم کا لہجہ بنتا تھا۔ فون واپس کریڈل پہ رکھتے ہوئے انکے ہاتھ لرز رہے تھے۔ دل پسچ گیا تھا۔ کاش عبداللہ وقت پہ آگیا ہوتا۔

(وہ وقت پہ آتا اگر کہانی کا شہزادہ ہوتا، لیکن یہ کہانی ملکہ بد کی تھی۔)

"میں نے ساری زندگی ابا کی اچھی بیٹی بننے کی کوشش کی، ساری زندگی کامیاب ہو سکی یا نہیں۔ لیکن اب لگتا ہے ابا میری طرف قدم بڑھانے لگے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے میں انکی فیورٹ نہ سہی بیٹی بننے لگی ہوں۔"

"میں ابا کی توجہ کے لئے desperate نہیں ہوں، نہ کبھی تھی۔ لیکن اچھا لگتا ہے جب آپ کا باپ آپ کے سر پہ شفقت کا ہاتھ رکھا ہے۔ اچھا لگتا ہے جب آپ کا باپ آپ کی محنت پہ داد دیتا ہے، اور آپ کو مسکرا کر دیکھتا ہے۔ اگر زینیا حاکم نے عبداللہ کو کھو کر ابا کو پالیا ہے، تو مجھے نہیں لگتا یہ خسارے کا سودا ہے۔"

بالاج اور اس کے نکاح کی خبر کو ذرا سی دیر گزری تھی جب زینیا حاکم کے کمرے کا دروازہ ذرا سا کھلا۔ ہاتھ میں سرخ جیولری کا ڈبہ لئے حاکم نواب اندر آتے دکھائی دیئے۔ وہ مسکرا رہے تھے زینیا نے ٹھہر کر انہیں دیکھا۔ ڈھیر سارے جذبات تھے جو ایک ساتھ آن وارد ہوئے تھے۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتے ہوئے آئے اور اس کے قریب آ کر بیٹھے۔ زینیا بس انہیں دیکھے گئی۔ ابا نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"میری اچھی بیٹی۔۔" دھیرے سے چند الفاظ کہے گئے۔ الفاظ تھے کہ امرت۔؟

"تمہاری شادی کی بہت خوشی ہے مجھے۔" وہ مسکرا رہے تھے۔ "میں نے بالاج کے اکاؤنٹ میں دس لاکھ

جمع کروا دیئے ہیں۔ تم دونوں جب ایک گھر میں رہو گے۔ تب اپنا سامان خرید لینا ٹھیک ہے ناں۔؟"

زینیا کے حلق سے الفاظ نہیں نکلے۔ وہ اب تک شل تھی۔ ابا نے جیولری کے ڈبے کو کھولا اور اندر سے

زیور نکالا۔ وہ ہس تھی، چوکور ہس۔ (گلے میں پہنے جانے والا زیور۔)

چوکور ڈیزائن کے ہس پہ ننھے ہیرے لگے تھے۔ زینیا دم بخود رہ گئی۔ کیا انکے معاشی حالات اس بات کی

اجازت دیتے تھے۔؟ آہ ابا کو اب تک اپنا نوابی دور نہیں بھولا تھا۔

"میرے پاس ہس تھی ابا۔۔" یہ مڈل کلاس لڑکیاں، ایک جیسی چیز کا ایک سے زائد ہونا فضول خرچی

لگا کرتا تھا۔

"مجھے پتہ ہے تمہارے پاس ہس ہے۔ لیکن وہ تمہاری اماں کی ہے۔ میری طرف سے بھی تو کوئی تحفہ ہونا

چاہیے ناں۔؟" زینیا کچھ نہیں بولی بس دھیرے سے ہس کو ہاتھ میں لیا۔ سچا، شفاف سونا، دس بارہ تولہ تو

کہیں نہیں گئے۔ اوپر سے ننھے ہیرے، وہ اتنی خوبصورت تھی کہ جس کی کوئی حد نہیں۔

ابا خوبصورت تھے۔ انکے تحفہ دینے کا انداز بھی اتنا ہی خوبصورت تھا۔ زینیا کئی لمحے اس پیلے سونے پہ لگے سفید ہیروں کو دیکھتی رہی۔ مبہوت ، متحیر۔

("میں اپنا شہر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔، میرا شوہر اگلے کئی ماہ دیار غیر میں ہوگا۔ میں اسکا انتظار کروں گی۔ زینیا حاکم ایک بار پھر اپنے سے جڑے مرد سے وفاداری نبھائے گی۔ کئی چیزیں ہیں جو آج سے بدلنے والی ہیں۔

میرا نام ، میری فیروزے کی لونگ ، میری ترجیحات ، ان میں اب بالاج میر شامل ہونے والا ہے۔ لیکن میں باقی مشرقی لڑکیوں کی طرح خود کو پس پشت نہیں ڈالوں گی۔ جس طرح بالاج میرا فرض ہے۔ اسی طرح زینیا حاکم بھی میرا فرض ہے۔"

"مجھ پہ سب سے زیادہ حق میرا ہے۔"

"زینیا حاکم ولد حاکم نواب کیا آپ کو بالاج میر ولد محمد یوسف میر باعوض دس لاکھ روپے حق مہر اپنے نکاح میں قبول ہیں۔؟" قاضی اس سے پوچھ رہا تھا۔ اپنے پلنگ پہ بیٹھی زینیا حاکم کے آگے اسکی ساری زندگی ایک فلم کی طرح دوڑ گئی۔ اسی لمحے اس نے جھکی گردن اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے بشر کو دیکھا

پھر ابا کو دیکھا۔ اسکے جالی دار دوپٹے سے ان دونوں کا چہرہ صاف نظر نہیں آتا تھا۔ اسکی سماعتوں میں ایک مشینی سی آواز بھی گونجی تھی۔

"میں تمہارے شہر آیا تھا۔ تمہاری پکار پہ۔" یہیں اسی جگہ باقی کی زندگی کے لئے ان آوازوں کا گلا گھونٹتے ہوئے زینیا "قبول ہے۔۔" کہہ چکی تھی۔

چند لمحوں کا کھیل تھا۔ اور زینیا حاکم زینیا بالاج بن چکی تھی۔ دل میں جذبات شاید نہیں تھے، لیکن امیدیں تھیں۔ بہتر مستقبل کی، اچھی شادی کی۔

شام کے سات بجے کا وقت تھا۔ زینیا حاکم اور بالاج میر کا نکاح ہو چکا تھا۔ اب جو رسم ہو رہی تھی اسے "لاواں" کہتے ہیں۔ لاواں کی رسم میں دولہا اور دلہن کو ایک دوسرے کے آمنے سامنے بٹھایا جاتا ہے۔ اور انکے درمیان آئینہ رکھا جاتا ہے۔ دولہا اپنی دلہن کو پہلی بار اسی آئینے میں دیکھتا ہے۔ اور اسکے بعد خاندان کے شادی شدہ جوڑے باری باری آکر دولہا اور دلہن کے سر آپس میں ٹکراتے ہیں۔ دھیمے سے اور نرمی سے۔ کئی شوخ جوڑے دولہا دلہن کے سر کو زور سے ٹکرا دیتے تھے۔ جس سے کبھی دلہن کی ماتھا پٹی سے دولہا کراہ کر رہ جاتا تھا۔

ہنسی خوشی رسموں کا اختتام ہوا تھا۔ شادی اپنے انجام کو پہنچی۔

"شادی جوا ہوتی ہے میں جانتی ہوں۔ لیکن میرے لئے شادی صرف جوا نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو میں پہلے ہی اپنی متاع حیات گروی رکھوا چکی ہوں۔ میرے دو عزیز رشتے۔ میرا بڑا بھائی، جو میرے لئے باپ جیسا ہے۔ اور میری انسکیورٹیز کی ماری بہن جو میرے لئے اولاد جیسی ہے۔ جب تک میری شادی سانس لیتی رہے گی۔ تب تک میرے بہن بھائی کی زندگی پر سکون رہے گی۔ مجھے لگتا ہے یہ شادی بھی ایک معاہدہ ہے، ایک ایسا معاہدہ جس میں واپسی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دنیا حاکم پہ واپسی کی تمام راہیں مسدود ہوئیں۔"

کھانے کی ٹرے ہاتھ میں لے کر جاتی کونج یکدم کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ اس نے اپنے سامنے کھڑے دیوہیکل نما انسان کو دیکھا۔ ضیغم میرا سے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ کونج بھی ساتھ مسکرائی تھی۔ پھر ساتھ سے گزر کر چلی گئی۔

یوں تو وہ کئی بار ملا تھا۔ لیکن جو دو روز سے نظر تبدیل ہوئی تھی۔ یہ تبدیلی اچھی تھی۔ کم از کم کونج کے لئے۔



"لیکن ایک بار پھر زینیا پہ سب سے زیادہ حق زینیا کا ہے۔"

"میں کسی بالاج میر کو اجازت نہیں دوں گی کہ وہ میرے لئے شادی کو سودا بنائے میری بہن کی خوشی، میرے بھائی کے سکون کے بدلے میرا سودا۔"

بالاج میر ایسا کبھی نہیں ہوگا۔۔"

نکاح، لاواں اور باقی کے تمام جھنجھٹ سے پاک ہو کر بلاخر بالاج میر پندرہ منٹ میں کراچی کے لئے نکلنے والا تھا۔ یہ زینیا حاکم کا کمرہ تھا۔ وہ بیڈ کراؤن کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ اور بالاج اسکے دائیں طرف۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ زینیا بھی تکلف سے مسکرائی۔

پھر بالاج نے زینیا کے آگے اپنی چوڑی ہتھیلی پھیلائی۔ سنہری آنکھوں والی لڑکی نے مسکرا کر اپنا مومی ہاتھ اسکے ہاتھ میں دیا۔ بالاج نے سر کے خم سے گویا شرف قبول کیا ہو۔ بالاج نے ایک زرد انگوٹھی اسکی انگلی میں پہنانی چاہی۔ زینیا کے لبوں سے کراہ نکلی تھی۔ انگوٹھی تنگ تھی۔ زینیا نے ہاتھ پیچھے کرنا چاہا، لیکن بالاج نے گرفت مضبوط کر دی۔ اس نے ایک بار پھر انگوٹھی پہنانی چاہی، زینیا کو لگا تھا اسکی جلد چھل گئی ہو، اس نے ایک بار پھر ہاتھ پیچھے کرنا چاہا۔ لیکن بالاج نے اسکی کوشش کو ناکام کرتے ہوئے

جارحانہ انداز میں انگوٹھی اسکی انگلی میں پہنا ہی دی۔ زینیا کی انگلی کئی لمحے تک سن رہی۔ اسکی انگلی میں اس قدر جلن ہوئی تھی کہ الامان۔ کچھ دیر قبل امید سے بھری آنکھیں اب خالی خالی تھیں۔

" This is not just a ring this is commitment "

"اور کمٹمنٹ بعض دفع تکلیف دہ ہوتی ہیں ہے ناں۔؟" وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔ زینیا نے پلکیں جھپکا دیں۔ وہ مسکرایا، زینیا مسکرا بھی نہ سکی، بالاج نے اسکے ہاتھ کو آنکھوں سے لگایا، پھر دھیرے سے لبوں سے چھوا۔ زینیا ساکن رہی۔

"میں جلد واپس آؤں گا۔ زینیا بالاج میر۔" دلکشی سے کہتے ہوئے وہ اٹھا اور پھر مڑ گیا۔ زینیا کئی لمحے اسکے لمس کو محسوس کرتی رہی۔ نرم لمس نہیں، جلانے والا۔

عورت کو ذرا سی بات بھی کہاں بھولتی ہے۔؟

☆☆☆☆☆☆

"ایک ہفتہ بعد "

ایک ہفتہ سکون کی علامت رہا تھا۔ زینیا کے نکاح کے چار دن بعد بشر حاکم کا نکاح ہوا تھا۔ حاکم نواب خوش تھے، بے حد خوش۔ زندگی سے جو کچھ انہوں نے چاہا تھا وہ سب مل رہا تھا۔ انکے دونوں بچے انکی مرضی کی شادیاں کر چکے تھے۔ یہ پورا ہفتہ زینیا کو بس ایک ہی بے چینی رہی۔ پرواز کی، بلندیوں کی۔ یہ پورا ہفتہ بشر حاکم کو بس ایک ہی بے چینی رہی۔ اپنے کمرے میں ایک نفس کے اضافے کی، اور اس سے بات کرنے کی۔ نہ جانے اس لڑکی کا کیا مسئلہ تھا۔ ہر کام میں گھسنے کی کوشش کرتی تھی۔ اور ایک تو بولتی بہت تھی۔

اس وقت بشر اپنے کمرے میں بیڈ پہ بیٹھا تھا۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے پیر لمبے کئے۔ گھٹنوں پہ لیپ ٹاپ رکھا تھا اور کانوں میں ایر پوڈز، کچھ ہی وقت میں وہ زینیا کو چھوڑنے اسلام آباد جانے والا تھا۔ بس ذرا یہ فلم دیکھ لے۔ سفید کاٹن کے جوڑے میں وہ ہمیشہ کی طرح اچھا لگ رہا تھا۔

دفعتاً اسے اپنے پیروں کے قریب کچھ محسوس ہوا۔ لیپ ٹاپ سے نظر اٹھا کر اس نے سامنے دیکھا۔ اسکی نئی نویلی دلہن بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ صاف ستھری رنگت، بڑی بڑی آنکھیں اور خوبصورت نقوش والی عروج

بشر۔ لیکن اسکے شوہر کے حیران ہونے کی وجہ اسکا یوں بیٹھنا نہیں تھا۔ بلکہ اسکا رونا تھا۔ وہ مگر مجھ کے آنسو رو رہی تھی۔ بشر بوکھلا ہی تو گیا۔

"عروج . . . ادھر دیکھو . . . کیا ہوا ہے۔؟ تم رو کیوں رہی ہو۔؟" وہ پریشانی سے اسکے قریب آ بیٹھا تھا۔  
- یکدم وہ مزید بلند آواز میں رونے لگی تھی۔ اب کے بشر کو واقعتا تشویش لاحق ہوئی۔

"ادھر مجھے دیکھو . . . یہاں دیکھو ہوا کیا ہے۔۔؟ کچھ بتاؤ تو سہی آخر کیا ہوا ہے۔؟" وہ اسکے

چہرے کو اپنی جانب موڑ رہا تھا۔ اسکے گال تھپتھپا رہا تھا۔ لیکن مجال ہے جو اس لڑکی نے منہ سے کچھ

بولا ہو۔ وہ بس روئے گئی اور روئے گئی۔ چند لمحوں کی کوشش کے بعد بشر بھی ہلکان ہو چکا تو پیچھے ہو کر

بیٹھ گیا۔ بازو سینے پہ باندھ لئے۔ اور سکون سے اپنی تین دن کی بیوی کو رونے دیا۔ بشر کے یوں پیچھے

ہونے پہ وہ مزید دلگرفتہ ہو گئی تھی۔ اب وہ اونچی سے زیادہ اونچی آواز میں رونے لگی تھی۔ تقریباً دس

منٹ کے اس رونا سیشن کے بعد وہ خود ہی خاموش ہو گئی تھی۔ اب کے بشر دوبارہ اسکے سامنے آ کر بیٹھا

۔ دھیرے سے اسکی گود میں پڑے دونوں ہاتھ تھام لئے، پھر اسکی نم آنکھوں میں دیکھا۔

"کیا ہوا ہے۔؟ ایک ایک حرف سچ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" وہ سنجیدہ تھا۔ عروج مغموم سی اسے دیکھتی رہی۔ دل میں آتے خدشوں کو زبان پہ لانے کا فیصلہ کرتے ہوئے بلاخر اس نے کہہ ڈالا۔

"تم مجھ سے شادی کر کے خوش نہیں ہو۔؟" بشر نے اسکی بات پہ کرنٹ کھایا تھا۔ "سب کہتے ہیں تم دوسری شادی کر لو گے۔ اپنی اس لاہور والی لڑکی سے۔ یا پھر اپنے چچا کی بیٹی سے۔" اسکے رکے ہوئے آنسو ایک بار پھر بہنے لگے۔ "تین دن سے تم نے مجھے ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں۔ تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو۔؟ میں تمہاری بیوی ہوں، میرے کچھ حقوق ہیں، تم ایسے نکلو گے میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔" وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ بشر کا جی چاہا تھا زمین میں گر جائے۔ وہ اپنی تین دن کی بیوی کو اس طرح کیسے رلا سکتا تھا۔؟

"تم کیا چاہتی ہو۔؟ میں کس سے شادی کروں۔؟ لاہور والی سے۔ یا پھر اپنی کزن سے۔۔؟" وہ سنجیدگی سے بولا تو عروج کے آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے۔ اسکی ناک سرخ ہو چکی تھی۔ آنکھیں سو جھ گئی تھی۔ وہ روتے ہوئے زیادہ خوبصورت لگتی تھی۔ بشر کے لئے یہ نیا انکشاف تھا۔ وہ واقعی محظوظ ہوا تھا۔

"اچھا یہاں دیکھو۔ ادھر دیکھو مجھے۔" اس نے عروج کے جھکے ہوئے سر کو اٹھایا۔ آنکھیں سنجیدہ تھیں۔

"بشر حاکم آج تم سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ، تمہارے بعد کسی لڑکی سے شادی نہیں کرے گا۔ میں . . .

دوسری . . . شادی . . . کروں گا نہیں اوکے۔؟"

عروج نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "صرف شادی نہیں تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ تم کوئی extra material affairs نہیں چلاؤ گے۔" اب کے حیران ہونے کی باری بشر کی تھی۔ وہ اتنی سیدھی نہیں تھی جتنی دکھتی تھی۔

"تمہیں بہت پتہ ہے۔؟" وہ طنز کر گیا۔

"اگر تم نے بالی وڈ کھنگال لی ہے تو میں نے درجن بھر کورین ڈرامہ دیکھے ہیں۔ مجھے کم عقل مت سمجھنا۔

"سرخ سوچی ہوئی آنکھوں سے دھمکی دیتی وہ عجیب ہی لگی تھی۔ بشر نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑا۔ پھر

دھیرے سے اسکے ہاتھ چھوڑے۔ لیکن جتنی نرمی سے اس نے ہاتھ چھوڑے تھے عروج نے اتنی ہی تیزی سے دوبارہ پکڑ لئے۔ بشر پہ تو آج حیرت کے پہاڑ ہی گر رہے تھے۔ "یہ کون تھی۔؟"

"کافی بے شرم واقع ہوئی ہو تم۔" کھلے دل سے تبصرہ کیا گیا۔

"جتنے خاموش تم رہتے ہو، مجھے ایسا بننا ہی ہو گا۔ اچھا کیا میں تم سے کچھ مانگ سکتی ہوں۔؟" اسکے چہرے پہ اشتیاق تھا۔ بس ذرا سی ڈھیل دینے کی دیر تھی۔ اور چڑھ گئی یہ لڑکی سر پہ۔

"میں جانتا تھا یہ ڈیڑھ لیٹر آنسو تم کس لئے بہا رہی ہو۔ بولو کیا چاہیے۔؟" اس نے خود کو بے زار ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ بھی سچ تھا کہ اسے واقعی مزہ آ رہا تھا۔

"میں بھی اسلام آباد چلوں۔؟" اسکی فرمائش پہ بشر اسے دیکھ کر رہ گیا۔ سرخ متورم آنکھوں اور ڈھیر سارے اشتیاق کے ساتھ فرمائش کرتی وہ بشر کو حد درجہ زہر لگی تھی۔

"تم اسلام آباد جا کر کیا کرو گی۔؟ اور ہم نے کونسا شہر میں رکنا ہے۔ زینی کو چھوڑ کر واپس آجائیں گے۔"

"یہی تو . . . اسکی آنکھیں چمکیں۔" واپسی پہ صرف تم اور میں آئیں گے ناں۔ اب کہیں اور تو تم لے کر جاؤ گے نہیں۔ تو اسی ٹرپ کو اپنا ہنی مون سمجھوں گی۔" وہ رکی بشر کی متعجب آنکھوں میں دیکھا۔

"پھر میں تیار ہو جاؤں ناں۔؟" معصومیت کی انتہا تھی۔ بشر ناں بولنا چاہتا تھا لیکن نہیں کہہ سکا۔ بس سر کو

اثبات میں ہلا دیا۔ اسکے اجازت دینے کی دیر تھی۔ عروج نے اسکے دونوں ہاتھوں کو چھوڑا اور فوراً بستر سے اتر آئی۔

بشر تو حق دق سا اسکے بدلتے رنگ دیکھ رہا تھا۔ ابا نے سہی بلا چپکا دی اسکے ساتھ۔ وہ چلی گئی تو بشر کئی لمحے اپنے ہاتھوں کو دیکھتا رہا۔ نہ جانے کیوں۔

"چند گھنٹے بعد"

دروازے پہ کھڑی بڑی گاڑی بشر کے دوست کی تھی۔ جس میں اس وقت زینیا کے سامان سے زیادہ ایک دن کے لئے اسلام آباد جانے والی عروج کا سامان تھا۔ دروازے کے اندر جھانک کر دیکھو تو حاکم نواب کے گھر میں الوداعی تقریب جاری تھی۔ نم آنکھوں سے الوداع کہتی عورتیں۔ سپاٹ چہروں کے ساتھ جذبات چھپائے ہوئے مرد۔ زینیا کا ظاہری حلیہ تو اب جا کر بدلا تھا۔ فیروزے کی لونگ جو اسی کے لئے بنی تھی آج اسکی جگہ ایک روایتی چنے کی دال کے زرے جتنی موٹی نوز پن تھی۔ جس پہ نقش بنے تھے۔ یہ نوز پن ہر لڑکی کو شادی کے بعد پہننی ہوتی تھی۔ سادہ سے لگھے اب بھاری کام والے لگھوں میں بدل



گئے تھے۔ خالی ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ اور گلا؟ وہ خالی تھا۔ ہاں وہ ہس کی شوقین تھی

، دہری (ہار) سے اسے عشق تھا۔ لیکن یہ وہی زینیا حاکم تھی جسے ذرا سا زیور بھی پھندہ لگتا تھا۔

"میں تمہیں بہت یاد کروں گی۔" کونج کے چہرے پہ رندھا ہوا تاثر تھا۔ اسکے ساتھ زینیا کی دو نندیں

بھی کھڑی تھیں۔ ساس تو بلائیں لیتے نہیں تھک رہیں تھیں۔ وہ باری باری سب سے ملی۔ اماں، دادی

، ساس، نندیں، کونج کو گلے لگاتے ہوئے بھی اسکا چہرہ بے تاثر رہا۔

"تم کتنی ڈھیٹ ہو زینی۔ تمہیں ذرا بھی رونا نہیں آ رہا۔" اسے گلے سے لگائے کونج نے شکوہ کیا۔

"Goodbyes aren't hard for me"

وہ نرمی سے کہتے ہوئے جدا ہوئی۔ کونج اب بھی رو رہی تھی۔ بار بار نم آنکھوں کو رگڑ رہی تھی۔ انہی آنسوؤں، دعاؤں، اور سلامتیوں کے درمیان زینیا حاکم باہر گاڑی میں آ کر بیٹھی تھی۔ گوادر کی سڑکوں اور

حسین سورج نے اسے الوداع کہا تھا۔ بلوچستان کی فضاؤں نے ایک مہمان اسلام آباد کی تیخ بستہ ہواؤں

کے سپرد کیا۔ سنہری آنکھیں ایک نئے سفر پہ روانہ تھیں۔ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ دل دھڑک رہا تھا۔

سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لیں۔

"بلندیوں کی سمت کیونکہ مجھے اسی لئے بنایا گیا ہے۔۔" اسکے لب ہولے سے پھڑپھڑائے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

باہر آ کر دیکھو تو بشر گلی میں بے چینی سے یہاں سے وہاں ٹہل رہا تھا۔ اسکے ہاتھ ایک نیا نمبر ڈائل کر رہے تھے۔ نمبر کے ماتھے پہ عبداللہ لکھا تھا۔ وہ بے قراری سے کال پہ کال ملائے جا رہا تھا۔ بے قراری حد سے بڑھ رہی تھی۔ تقریباً اتیسویں بیل پہ کال اٹھالی گئی۔ بشر نے ڈھیر سارا غصہ، ملامت، غیرت اندر اتاری کئی لمحوں بعد وہ بولا تو اسکی آواز ہلکی تھی۔

"آجاؤ عبداللہ۔ ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے۔" اپنے آفس میں گلاس وال کے قریب صوفہ رکھے بیٹھا قیس باہر نظر آتے شہر کو دیکھ رہا تھا۔ لبوں میں سگار دبا تھا۔ آنکھیں پر سوچ تھیں۔ اپنے نام کی پکار پہ وہ چونکا نہیں۔ "ویسے تو تم میرے کزن ہی ہو، لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ تم لوگوں نے غیرت بیچ کھائی ہے۔" دوسری جانب بشر نے یقیناً ضبط کیا ہو گا۔

"میں غیرت مند ہوں۔ تب ہی تم سے کہہ رہا ہوں اپنی امانت لے جاؤ۔ اسکا دل مت دکھاؤ۔ تم چاہے اسے ساری زندگی ہم سے نہ ملنے دینا، ساری زندگی اسکی شکل نہ دکھانا۔ لیکن اسکا دل مت توڑو۔"

سامنے سے منٹ کی گئی۔ قیس نے آرام دہ ہو کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ ڈھیر سارا دھواں لبوں سے آزاد کیا۔

"ایسی ہی منت سماجت، دلگرفتگی، بے قراری اور زلت تمہاری ماں یعنی میری عزیز پھوپھو نے بھی دیکھی تھی۔ کئی بار تو میں نے خود انہیں تمہارے باپ کو پیغام بھیجتے دیکھا تھا۔ تمہارے باپ نے میری پھوپھو کو رلایا تھا۔ اب مجھ پہ فرض ہے کہ میں تمہاری بہن کو رلاؤں۔ وٹے سٹے کی شادیوں میں تو ایسا ہوتا ہے ناں۔؟"

دوسری جانب بشر خاموش ہو گیا تھا۔ شاید اسے غصہ آیا تھا۔ شاید بے بسی محسوس ہوئی تھی۔ یا شاید غیرت۔ کئی لمحے بعد اسکی آواز مستحکم تھی۔ "یعنی تم نہیں آؤ گے۔؟ پھر تیار رہنا میں اسکے نام سے عبداللہ ہٹا رہا ہوں۔"

قیس نے تیزی سے گردن اٹھائی۔ آنکھوں میں ڈھیر ساری سختی اتر آئی۔ گردن کی نیسیں تک ابھر آئیں۔ "اگر تم نے ایسا سوچا بھی تو میں تمہاری لاش کے ٹکڑے سمندر میں بہاؤں گا۔" وہ اتنی سختی سے بولا تھا کہ بشر طنزیہ مسکرایا۔

"اب اگر تم آئے تو تمہاری موت میرے ہاتھوں ہو گی عبداللہ۔" اگلے ہی لمحے کال کٹ گئی تھی۔ قیس نے بے زاری سے موبائل کان سے ہٹایا۔ آج کل یہ لوگ کچھ زیادہ سر چڑھ رہے تھے۔ کبھی یہ بشر تو کبھی اسکا باپ۔ لیکن اس نے خود بھی تو کال کی تھی۔ اسکے بارے میں سوچ کر وہ مسکرایا۔ گو کہ اسکی آواز یادداشت کا حصہ نہیں بنی تھی، اسکا چہرہ، اسکی خوبصورتی، کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ لیکن وہ کال کرتی تو زیادہ اچھا لگتا۔

سگار کے دھوئیں اڑاتا، ماضی کے گرداب میں پھنسا شخص مستقبل کے منصوبے بنا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قیسم۔ خوابوں کی عمارت، بلندیوں کی عمارت اس عمارت کو بنانا قیس کا خواب تھا۔ اور اب یہی عمارت کئی لوگوں کے خواب پورے کرتی تھی۔ شیشے کی یہ عمارت سانس جاری رکھنے کو کھانا دیتی تھی۔ ہوائیں اس عمارت کو ٹھنڈے جھونکے بخشی تھیں اور سورج اس عمارت پہ تپش نہیں برساتا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ اسلام آباد کا آسمان آج ابر آلود تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں شہر کا احاطہ کئے ہوئے تھیں۔ ایسے میں عمارت کے اندر قدم دھرتے ہوئے، سیڑھیاں چڑھ کر اپنی توانائی خرچ کرتے ہوئے، شیشے کے سٹوڈیو میں آؤ تو

قیس کبیر تمھیں پورے قد کے ساتھ صوفے پہ لیٹا نظر آئے گا۔ اسکے سامنے ایک بار پھر وہی سرخ گاؤں تھا۔ وہ لمبے صوفے پہ نیم دراز تھا۔ سینے پہ اسکیچ بک رکھے، ساتھ رکھی چھوٹی سی میز پہ رنگین پینسل رکھے، اور کان کی اوپری طرف ایک پینسل اٹکا رکھی تھی۔ گھنگھریالے بال آج ماتھے پہ گر رہے تھے۔ جاتے سورج کی چند نارنجی کرنیں اسکے چہرے پہ گر رہی تھیں۔ جس سے اسکی بڑھی ہوئی شیو چمک رہی تھی۔

دفترا راہداریوں میں ہیل کی مانوس سی ٹک ٹک گونجنے لگی، قیس مسکرایا تھا۔ شاید اسے اسی آمد کی توقع تھی۔ چند لمحے بعد شیشے کا دروازہ کھلتا محسوس ہوا۔ ڈیزائن میں رنگ بھرتے اسکے ہاتھ ایک پل کو تھم گئے تھے۔ کوئی عورت تھی جس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی اور نیلی آنکھوں میں چمک۔

"میں نے کئی دن انتظار کیا، کہ تم کب آؤ گی اپنا انعام لینے۔" قیس نے اسکیچ بک بند کر سینے پہ رکھ دی۔ آنکھیں موند لیں۔ جیسے کوئی کھیل چل رہا ہو، جیسے وہ بتا رہا ہو، میں تمھیں دیکھے بغیر بھی پہچان سکتا ہوں۔

نوار دراز قد تھی۔ خوبصورت نقوش، ٹپ ٹاپ کنڈیشن، سیاہ سفید دھاری دار لیڈیز ٹوپس میں ملبوس اس نے بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ کانوں میں نیلے ہیرے، پیروں میں ڈیڑھ انچ کی سفید ہیلز، کلائی میں قیمتی گھڑی، وہ فیشن سے آبسید تھی۔ ماہ جبین مختار۔

"میں نے بھی تمہیں کئی دن کا وقت دیا تاکہ تم سوچ سکو میرا انعام کیا ہونا چاہیے۔۔" وہ ایڑھیوں کے بل گھوم کر سارے سٹوڈیو کا جائزہ لینے لگی۔ گلاس وال سے آتی دھوپ اب قیس کے چہرے کو چھوئے بغیر واپس جا رہی تھی، ماہ جبین کی پشت نے دھوپ کا بیڑہ اپنے سر لیا۔

"تقریب سے پہلے انعام طے ہوتے ہیں۔" قیس نے یاد دہانی کروائی۔

"میں نے تمہارے لئے کوئی تقریب نہیں اٹینڈ کی، میں نے تمہارے لئے جنگ لڑی ہے قیس۔ اور جنگ کے انعام سپاہیوں کی جرات کے مطابق طے کئے جاتے ہیں۔ میری جرات، ہمت اور طاقت کے حساب سے یہ سرخ گاؤن مجھے ملنا چاہیے۔" یکدم دھوپ کا راستہ کھل گیا۔ اور قیس کا سارا جسم جھلس سا گیا۔

اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں، اور ایک جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھا۔ ماہ جبین اسکی طرف پیٹھ کئے ہوئے تھی۔ گردن ڈھلکا رکھی تھی، جس سے اسکے بال پھسل کر ایک طرف ہو رہے تھے۔ اسکی نظریں گاؤں پہ جمی تھیں۔ ایک فیشن فریک عورت اپنا ہدف چن چکی تھی۔

"اسکے علاوہ کچھ بھی۔۔" پیشکش دی گئی۔ آنکھوں میں بے چینی تھی۔

"اسکے علاوہ کچھ بھی نہیں۔۔" پیشکش رد کی گئی۔ آنکھوں میں فیصلہ تھا۔

"یہ طے نہیں ہوا تھا ماہ جبین۔۔" تنبیہ تھی یہ۔

"جنگ جیت کر آنے والوں کو منہ مانگے انعام دیئے جاتے ہیں۔۔" ضد تھی یہ۔

کئی لمحے قیس خاموش رہا۔ گویا فیصلہ لینے کو وقت لیا ہو۔ پھر جب وہ بولا تو اسکی آواز مستحکم تھی۔

"جنگ چاہے سپاہی کی محنت سے جیتی گئی ہو، چاہے افسر کے سینے پہ لگے تیروں سے۔ کریڈٹس سپہ سالار

کو ملتے ہیں۔ اس جنگ کا سپہ سالار میں تھا۔"

ماہ جبین اسکی جانب مڑی۔ قیس اب بھی کہہ رہا تھا۔

"سپاہیوں کے حق میں مال غنیمت، اور چند عنایات آتی ہیں۔ تمہارے حصے کی عنایات طے ہیں۔۔" وہ اتنا سفاک کیوں تھا۔؟ ماہ جبین مسکرا رہی تھی۔ سر سے پیر تک سچی ٹپ ٹپ سی لڑکی کو بھلا عنایات کی کیا ضرورت۔؟

"اگر یہ نہیں تو ساری دنیا نہیں۔۔" آنکھیں کچھ جتا رہی تھیں، تنی ہوئی گردن میں زعم تھا۔ آہ یہ عورتوں کی ضد۔

"اگر میں انکار کروں تو۔۔؟" وہ صوفے سے اٹھ کر اسکے قریب آیا۔

"جیسے دو سال پہلے کیا تھا۔؟" وہ ہنوز مسکرا رہی تھی۔ پر تپش، سرد مسکراہٹ، وقت کے دریا میں بیٹھی کشتی کے چپو گھماؤ، لہروں کے دوش پہ تیرتے ہوئے پیچھے جاؤ تو دو سال پرانا منظر تمہاری آنکھوں کے آگے ہے۔

دو سال پہلے۔

منظر تھا قیس کا آفس، سرمئی سفید دیواروں والا آفس۔ پاور چیئر پہ بیٹھا قیس، میز پہ رکھے کافی کے بھاپ اڑاتے مگ، اور میز کے اس پار بیٹھی ماہ جبین مختار۔ ہمیشہ کی طرح ٹپ ٹپ، اور تیار۔



"میں عورتوں کے کپڑے نہیں ڈیزائن کرتا میڈم۔" اس نے احتراماً میڈم کا اضافہ کیا۔

"میں نے دنیا کے ہر برانڈ کو پہنا ہے، چاہے سستا ہو چاہے قیمتی، میں نے قیسم کے کپڑے بھی پہنے ہیں

لیکن، وہ آگے کو جھکی۔، میں نے قیس کے بنائے کپڑے نہیں پہنے، کیا تم چاہتے ہو میں اپنے سر کل میں

آدھی ادھوری تصور کی جاؤں۔؟ اور ایک بات اور کیا تمہیں لگتا ہے میں تمہیں خرید نہیں سکتی۔؟"

"تم قیسم سے کچھ بھی خرید سکتی ہو۔ لیکن ماہ جبین مختار میں چاہتا ہوں تم قیسم سے کماؤ۔ یہاں خریدنے

والے بہت آتے ہیں۔ جب تم قیسم پہنو تو خرید کر نہیں کما کر پہنو۔" وہ اگر فیشن فریک تھی، تو قیس

فیشن شناس ڈیزائنر، ڈیزائنر بڑے mean ہوتے ہیں۔ جن کے لئے انکا دل نرم پڑا انکے لئے شاہکار بنا

دیں گے، اور جن سے دل کھٹا ہوا، انکے لئے بنائے گئے شاہکار کو بھی ردی کا ٹوکرا بنا دیں گے۔

"اگر تم مجھ سے ضد کرو گی، میرے پاس بار بار آؤ گی تو شاید میں تمہارے لئے کچھ ڈیزائن کر بھی

دوں۔ لیکن وہ محض ایک ڈیزائن ہو گا آرٹ نہیں۔ آرٹ بنتا ہے دل سے، یا پھر ٹوٹے دل سے۔"

"مجھے کس چیز کا انتظار کرنا ہو گا۔؟ دل ٹوٹنے کا۔؟ یا دل سے بنے آرٹ کا۔۔؟" نیلی آنکھوں میں

تجسس تھا۔

"قیس کا دل کوئی نہیں توڑ سکتا، تمہیں دل سے بنے ڈیزائن کا انتظار کرنا ہوگا۔" ماہ جبین نے نزاکت سے ہاتھ جھلایا۔ "مردوں کے دل سے بھلا کون نا واقف ہے۔" اسکی آنکھیں چمکیں۔ کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے اس نے ایک اور سوال داغا۔

"میں قیسم کا ڈیزائن کیسے کما سکتی ہوں۔۔" جاننے کا جنون۔

"کمانے کی صلاح دی جاتی ہے، طریقے بے وقوف بتاتے ہیں۔ کیا میں تمہیں بے وقوف دکھتا ہوں۔؟" کھوج لگانے کا چیلنج۔

"انتظار کرو اس دن کا جب میرا دل تمہارے لئے کچھ تخلیق کرنے کو چاہے۔" مغرور ڈیزائنر نے

کندھے اچکائے۔ فیشن فریک عورت نے کافی کا مگ دھپ سے میز پہ رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم جیسے مرد اس عورت کا دل رکھتے ہیں، جو انکا کاروبار رکھے، کبھی کسی جنگ میں ہتھیار کم پڑیں تو ماہ

جبین کو بلا لینا۔" اس نے پیشکش دی۔ قیس نے سر کے خم سے پیشکش وصول کی۔

"کسی دن اگر تم میرے لئے جنگ جیت گئیں، تو میرا دل بھی جیتو گی۔ تب میں تمہارے لئے ایک

شاہکار بناؤں گا۔"

بھاپ اڑاتے کافی کے دھوئیں کے ساتھ تحلیل ہوتے ہوئے ہم ماضی سے حال میں آگئے۔

## حال

"دو سال پہلے تم نے مجھے امید دی تھی۔ اور اب دو سال بعد انکار کر رہے ہو۔" وہ نیلی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے شکوہ کر رہی تھی۔

"نہ میں نے تب انکار کیا تھا۔ نہ اب کر رہا ہوں۔ اپنی مرضی چھوڑ کر میری مرضی کرو، تمہیں بہت کچھ ملے گا۔" وہ پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے ہوئے سنجیدہ تھا۔ ماہ جبین آگے کو ہوئی۔ ایک بازو بڑھا کر اسکے کندھے پہ رکھا۔ اور پھر اسکے کان کے پاس جھکی۔

"میں دو سال مزید انتظار کر سکتی ہوں، لیکن میں ڈیزائن نہیں آرٹ لوں گی قیس۔" وہ بے باک عورت سرگوشی کرتے ہوئے پیچھے ہٹی۔ قیس اونچے مجسمے کی مانند کھڑا رہا۔ ماہ جبین نے ایک نظر اس پہ ڈالی، پھر اس سرخ گاؤن کو دیکھا۔

"until we meet again ba bye"

وہ ہاتھ کی تین انگلیاں پیانو بجانے کے انداز میں لہراتی باہر چلی گئی۔ اسکے جاتے ہی حدیبیہ اندر آئی۔ وہ کافی عجلت میں لگتی تھی۔ لیکن یہاں اس سٹوڈیو میں اس سرخ گاؤن کو دیکھ اسکی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ آنکھیں ستائش سے پھیل گئی۔ لب اوہ کی شکل میں گول ہوئے۔ چند پل وہ ایک حصار میں قید سی اس گاؤن کو دیکھتی رہی۔ اور پھر اگلے ہی لمحے اس نے آنکھیں جھپکا کر اپنے باس کو دیکھا۔

”اگر آپ یہ گاؤن مجھے دے دیں، تو روز قیامت میں آپ کے حق میں بیان دوں گی۔ میں اللہ کو ہر گز نہیں بتاؤں گی آپ اسکی عظیم تخلیق حدیبیہ کو حبیب کہتے تھے۔“ قیس نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ سودا برا نہیں تھا۔

”اگر تمہارے اندر ایک بھی عورتوں والی خوبی ہوتی، تو یہ گاؤن تمہارا ہوتا حبیب۔“

”آخر یہ گاؤن ہے کس کا۔۔؟“ مارے تجسس کے وہ حبیب کہنے پہ بھی خفا نہیں ہوئی۔

”میری منگیترا کا۔۔“ اعتراف کرتے ہوئے اسکے لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ حدیبیہ پلک تک نہ جھپک سکی۔

یعنی باس نے منگنی کر لی؟

”آپ کی . . . آپ کی منگیترا بھی ہے۔؟“ حیرت کی زیادتی تھی۔ قیس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں میری منگیتر ہے۔ اور وہ کہتی ہے، وہ بہت خوبصورت ہے۔ لیکن لوگ اس سے کہتے ہیں میں زیادہ

خوبصورت ہوں۔" وہ رکا حدیبیہ کے چہرے کو دیکھا۔ "اسکی خواہش ہے کہ میں اعتراف کروں کہ وہ

مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ جس دن وہ یہ گاؤں پہننے گی، میں اعتراف کروں گا وہ واقعی خوبصورت ہے

--"

"اور اگر وہ خوبصورت نہ لگی تو۔؟"

"عورت کو خوبصورت اسکا وقار اور وفا بناتے ہیں۔ اس عورت کے پاس دونوں ہیں۔ میں جانتا ہوں وہ

دنیا کی سب سے حسین عورت ہوگی۔"

"اور آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔؟" طنز تھا۔ قیس نے گہری سانس لی۔

"میں نے اسے بہت ہرٹ کیا ہے۔ لیکن میں مداوا کروں گا۔ میری ساری وفائیں اس سے مشروط ہیں۔

اسکے سارے گلے دور ہو جائیں گے، جب میں اسے تحفے میں وفا دوں گا۔"

"کون جیتتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک۔" حدیبیہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی، لیکن اگلے ہی لمحے قیس کی ایک سخت نظر اسے ہوش میں لے آئی۔ کھسیانی بلی کی طرح وہ دھیرے سے منظر سے ہٹنے لگی، جب یکدم اسے کچھ یاد آیا۔

"آپ نے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ اپنے راز عورت سے شیئر نہیں کرنے چاہیے۔ کیونکہ عورت ناقابل اعتبار ہوتی ہے۔ پھر آپ نے اپنی منگنی کے بارے میں مجھے کیوں بتایا۔؟" قیس نہیں مڑا وہ یونہی کھڑے کھڑے گاؤن کو دیکھے گیا۔

"میرا یہی عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ میں تمہیں حدیبیہ نہیں حبیب سمجھتا ہوں۔"

"خدا کی قسم میں قیامت کے دن آپ پہ ہتک عزت کا دعویٰ کروں گی۔" وہ پیر پٹختی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ پیچھے قیس تھا اور وہ سرخ گاؤن۔

"عبداللہ ایک دن تمہارے لیے آئے گا۔" اس نے سرگوشی کی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

گواہ کے ساحل پہ کھڑے دو مرد ایک دوسرے کے روبرو تھے۔ سبز آنکھیں سپاٹ تھیں۔ اور سیاہ آنکھوں میں سختی تھی۔ "تم کیا کرنے والے تھے مہدی۔؟" چبا چبا کر بس یہی پوچھا گیا۔ مہدی نے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔ ایک جنونی سیریل کلر جیسی سپاٹ نظریں۔

"میں کرنے والا تھا نہیں، میں کرنے والا ہوں۔ میں اس آدمی کو جان اسے مار ڈالوں گا۔ اسکی جرات کیسے ہوئی مجھے کال کرنے کی۔" آخر میں وہ ہلکی آواز میں بڑبڑایا۔ ساتھ ساتھ ذہن کے پردے پہ ایک منظر ابھر آیا۔

پر تعیش سویٹ کے کمرے میں اپنے پلنگ پہ آڑھے ترچھے لیٹے مہدی کا فون بج بج کر تھک گیا تھا۔ لیکن اسکی نیند تھی کہ ختم ہی نہیں ہوتی تھی۔ چند لمحوں بعد فون کی زوں زوں ایک بار پھر سر اٹھانے لگی۔ اب کے مہدی نے کسی نابینا کی طرح اپنا ہاتھ یہاں سے وہاں مارا تھوڑی سی جدوجہد کے بعد، بلاخر فون اسکے ہاتھ میں تھا۔ غیر شناسا نمبر سے آنے والی کال اس نے یونہی پڑے پڑے اٹھالی تھی۔ آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ ذہن غائب۔ "ہیلو . . . ؟" خمار زدہ آواز میں اس نے پوچھا۔



"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم مجھے اتنی جلدی بھول جاؤ گے۔" چار سو والٹ کا کرنٹ تھا جو مہدی کے جسم کو چھو گیا۔ محب ملک اس سے مخاطب تھا۔ وہی دلکش لہجہ، وہی طنز میں ڈوبے تیر۔ ایک مرد کی آواز امرت ہوتی ہے، جب تک اسکے لہجے میں طنز کے تیر شامل نہ ہو جائیں۔ مہدی کئی لمحے سانس نہیں لے سکا۔

"دیکھا مہدی تمہاری بہن اس ملک میں آکر بھی میرے اشاروں پہ چلتی ہے۔ ورنہ اسلام آباد اتنا دور تو نہیں تھا۔" وہ ایک بار پھر زہر خند لہجے میں بولا۔ مہدی دھیرے سے لحاف اتارتا اٹھ بیٹھا۔ چہرہ اب تک بے یقین تھا۔ دوسری جانب پی سی کے ایک اور سویٹ کی بالکنی میں بیٹھا وہ خوبو شخص مسکرا رہا تھا۔ طنز، حقارت، تنفر والی مسکراہٹ۔

"تمہاری بہن، میں نے جب اسے پہلی مرتبہ پروپوز کیا تھا جانتے ہو اس نے مجھے کیوں انکار کیا تھا۔" مہدی خاموش رہا وہ اسکے الفاظ پر اسیس کر رہا تھا۔

"اس نے مجھ سے کہا کہ وہ اپنے بھائی سے پوچھ کر بتائے گی۔ اس نے مجھے تمہارے اپروول کے لئے چھوڑا مہدی۔ آدھی یونیورسٹی کے سامنے میں نے ذلت اٹھائی۔ صرف اور صرف وجہ تم تھے۔"

"تم اس لائق تھے کہ تمہیں انکار کیا جاتا۔" مہدی حقارت سے بولا۔ "تم اس لائق تھے کہ تمہارے چہرے پہ لعنت بھیجی جاتی۔ اور میری بہن نے بھیجی تھی۔" اس نے جتایا۔

"کیا اسی وجہ سے آج تمہاری بہن میرے نکاح میں ہے۔؟ اور میری بیٹی کی ماں بھی ہے۔؟" کاش کوئی اسکا منہ نوچ لے۔ مہدی نے دانت پہ دانت جما کر ضبط کیا۔ "جانتے ہو تمہاری بہن کیا کیا برداشت کرتی ہے۔؟" وہ پرسرار ہوا۔

"میں نے ان چھ سالوں میں کئی بار اس پہ ہاتھ اٹھایا ہے۔ زبان بہت چلتی ہے یار اسکی۔"

"خدا کی قسم میں تمہارے ہاتھ جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔" مہدی غرایا۔ دوسری جانب محب قہقہہ مار کر ہنسا تھا۔ مارے بے بسی کے مہدی کے ہاتھ کی نسیں بھڑک گئیں۔

"کئی بار میں نے اس کی شکل، عقل کا مذاق اڑایا ہے۔ کئی بار میں نے اس کے کردار پہ انگلی اٹھائی ہے

--"

"لنت ہو تم پہ ملعون انسان۔ خدا تمہیں غارت کرے۔" مہدی کا بس نہیں چلتا تھا وہ فون کے اندر گھس کر اسکا گلا دبا دے۔ وہ اپنے بستر سے نیچے اتر آیا تھا۔ اور اب کمرے کے چکر لگا رہا تھا۔ محب اب تک اسکی سماعتوں میں زہر انڈیل رہا تھا۔

"یار ایسی بات نہیں ہے کہ مجھے اس سے محبت نہیں ہے۔ ہاں شاید تھوڑی بہت محبت ہے۔ لیکن وہ جو مجھے ضد ہے ناں اسکے مقابلے یہ محبت کچھ نہیں، اسے میں چاہتا ہوں میرے برے سلوک کے بعد وہ تمہیں بلائے اپنے دوست کو بلائے۔ اور پھر جب تم دونوں نہ آ سکو تب وہ میری برتری قبول کرے۔ ہاں تب تک کے لئے اسے یہ سب برداشت کرنا پڑے گا۔" وہ گویا تمام فیصلے کر چکا تھا۔

"تمہاری موت میرے ہاتھوں لکھی ہے محب۔ تم اس شہر آ تو گئے ہو اب واپس نہیں جا سکو گے۔" مہدی فیصلہ کر چکا تھا۔ اب کے اسکی آواز سرد سرگوشی جیسی تھی۔ ٹھنڈی، سفاک۔ "میں جانتا ہوں اس وقت تم کہاں ہو، اور اب تم انتظار کرو اپنی موت کا۔"

"واو آئی ایم ایمپریسڈ یعنی مہدی کمبیر صاحب کو غیرت بھی آتی ہے۔؟ لیکن افسوس تم مجھے مار نہیں سکتے۔ ایزل اور تمہاری بہن مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں مہدی۔ تمہارے ہاتھ بہت بری طرح بندھے ہوئے ہیں۔۔" وہ محظوظ ہو رہا تھا۔ اسکی بے بسی سے، اپنی بے حسی سے۔

"تم اگر مجھے مارنے آرہے ہو تو آؤ میں تیار ہوں۔ لیکن یاد رکھنا تم ایسا کر نہیں سکتے۔۔" مہدی کے بس میں ہوتا تو وہ اسے شوٹ کر دیتا، ضرور نہیں یقیناً۔

اگلے چند پل کے مناظر کچھ یوں تھے کہ مہدی کمبیر marine drive پہ تھا اور قیس کمبیر اسکے شانہ بشانہ۔ گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ لوگ انہیں گالیاں بک رہے تھے۔ اور مہدی کا جنون تھا کہ ختم ہی نہیں ہوتا تھا۔ وقت کے صفحے آگے پلٹے، گھڑی کی سوئیوں نے رفتار بڑھائی اور اب ہم ساحل پہ رکھے پتھروں کے پاس ہیں۔ قیس اسے کنفرنٹ کر رہا تھا۔ مہدی گردن جھکائے چپ چاپ سب سنے گیا۔ اور یہ وہ لمحہ تھا جب اس نے قبول کر لیا تھا۔ اسکے دل پہ ایک الہام اترتا تھا کہ کوئی انسان کسی دوسرے کو نہیں بچا سکتا۔ اسکی بہن اگر ایک برے مرد کے ساتھ رہ رہی تھی تو یہ اسکی چوائس تھی

کبھی کبھی لوگوں کو انکے حال پہ چھوڑ دینا چاہیے۔ شاید تب ہی وہ اپنا حال تبدیل کر سکیں۔.....

☆☆☆☆☆☆☆☆

رات سر پہ آئی تو اسلام آباد نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔ مہربان شہر کے مہربان موسم نے ہلکی پھوار برساتی۔ بلوچستان سے آنے والے مہمانوں کی تعظیم کی گئی۔ یہ ایک اپر کلاس کالونی کا منظر تھا۔ بھورے پیٹ والا تین منزلا بنگلہ ایک شان سے کھڑا تھا۔ اسی بنگلے کے باہر بشر حاکم کی گاڑی کھڑی تھی۔

زینیا گاڑی کے سامنے والے شیشے سے بنگلے کو دیکھ رہی تھی۔ جبکہ عروج تو باقاعدہ گردن باہر نکالے باہر دیکھ رہی تھی۔ بشر نے مڑ کر ایک سنجیدہ نظر اپنی غیر سنجیدہ بیوی پہ ڈالی۔

"عروج . . ؟ اسلام آباد دیکھنا ہے ناں جاؤ باہر جا کر دیکھ لو۔" اس میٹھے لہجے پہ عروج غش کھاتے کھاتے بچی تھی۔ وہ بچوں کے انداز میں خوش ہوتے ہوئے باہر نکل گئی۔ اور اسی پل بشر سنجیدہ ہو گیا۔

اسکا رخ اب زینیا کی جانب تھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ بشر اگلی سیٹ پہ ترچھا ہو کر بیٹھا تھا۔ یوں کہ وہ زینیا کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ اسے دیکھتا رہا تب ہی زینیا نے گاڑی سے باہر سیلفی لیتی عروج کو دیکھا۔

"عروج اچھی ہے۔، ہے ناں۔؟" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"ہاں اچھی ہے۔ بالاج بھی اچھا ہے۔" بشر نے تائید کی۔ "اور جب تک اچھا ہے تم بھی اچھی رہنا۔ لیکن

جب جانور بن جائے تو یاد رکھنا واپسی کے دروازے کھلے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ میں وہ بھائی نہیں ہوں جو خواہ مخواہ تمہاری حمایت کرے گا۔ تمہارے لئے دروازے تب تک کھلے ہیں جب تک تم حق پہ ہو، جس دن مجھے بالاج حق پہ محسوس ہوا۔ اس دن فیصلہ اسکے حق میں ہوگا ٹھیک۔؟" زینیا نے محض اثبات میں سر ہلایا۔ بشر اب بھی سنجیدہ تھا۔

"شادی کے شروع شروع میں مسائل ہوتے ہیں، کچھ برداشت کرنا، کچھ پہ صابر رہنا، لیکن اپنے ساتھ ظالم مت بننا۔ یاد رکھنا تمہارا بھائی ہمیشہ تمہارے پیچھے ہے۔ بالاج کی کوئی ناجائز بات برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"بشر۔۔ میں دیکھ لوں گی۔ فکر مت کرو۔ تم لوگوں کو میرے پیچھے کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" زینیا تسلی دینے والے انداز میں بولی۔ بشر نے گہری سانس بھری۔

"جن لڑکیوں کے پیچھے انکے میکے والے نہیں ہوتے، سسرال والوں کے لئے وہ لاوارث لاش جیسی ہوتی ہیں۔ کبھی صبر کے نام پہ گردہ نکال لیا، کبھی قربانی کے نام پہ دل نکال لیا۔" زینیا نے تھکی تھکی نظروں

سے اسے دیکھا۔ وہ اسے یہ سب کچھ کیوں سمجھا رہا تھا۔؟ وہ زینیا حاکم تھی۔ مسائل سے پہلے اسکے پاس حل آیا کرتے تھے۔ بشر کے چہرے پہ کچھ تھا، بے چین سا، غیر آرام دہ سا۔ وہ یوں اپنی بہن کو اسلام آباد کے سپرد کر کے نہیں جانا چاہتا تھا۔ خاص طور پہ تب جب اسکی بہن خود کو عقل کل سمجھ رہی ہو۔

"زینیا . . . . بچے یہ بڑا شہر ہے۔ بڑے لوگ، بڑے کاروبار۔ یہ جنگل ہے لوگوں کا، طاقت کا۔ یہاں یہ مت بھولنا تمہارا اصل کیا ہے۔ تم کہاں سے آئی ہو۔ تمہارا خاندان کون ہے۔ یہاں کے جانور پھاڑ کھانے کو بیٹھے ہیں۔ تم انکا نوالا مت بننا۔"

"شہر چھوٹا بڑا نہیں ہوتا ادا۔ جانور چھوٹے بڑے، خطرناک یا غیر خطرناک نہیں ہوتے۔ ہر انسان، جگہ، جانور کے اندر ایک جہنم ہوتی ہے۔ میرے اندر بھی ہے۔ اگر اس شہر کے جانوروں نے مجھے نوالا بنایا، تو میں انکو اپنا کھانا بناؤں گی۔"

I am not scared of monsters i am a monster myself..."

سنہری آنکھوں والی لڑکی نے جتایا۔ بشر ٹھہر کر اسے دیکھے گیا۔

"تم چیزوں کو اتنا آسان کیوں سمجھ لیتی ہو۔"



"کیونکہ اگر مشکل ہوئیں تب بھی میرے پاس حل موجود ہوگا۔۔" اس نے کندھے اچکائے۔ بشر کچھ مزید کہنے لگا تھا کہ بنگلے کا دروازہ کھلا۔ ایک ادھیڑ عمر عورت اور انکے ساتھ ایک لڑکی باہر آئی۔ بشر انہیں دیکھتے ہوئے باہر نکل آیا۔ الوداع کہنے کا وقت آچکا تھا۔ ادھیڑ عمر خاتون انہیں اندر چلنے کا اشارہ کر رہی تھیں۔ اسی لمحے زینیا حاکم بھی گاڑی سے باہر نکلی۔ بنگلے سے آنے والی لڑکی نے اسے دیکھا اور آگے بڑھ آئی۔ عروج اب بھی بنگلے، ولا، اور اونچے قصر گردن اٹھائے دیکھ رہی تھی۔

"ہیلو زینم۔۔ میں شیزل سیمسن ہوں۔" ادھیڑ عمر عورت کے ساتھ آنے والی لڑکی زینیا کے سامنے کھڑی تھی۔ زینیا نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ کوئی ستائیس، اٹھائیس برس کی لڑکی تھی۔ سیاہ لمبے بالوں والی۔ اسکی رنگت زردی مائل تھی۔ آنکھیں نہ زیادہ چھوٹی نہ بڑی بس درمیانی اور سیاہ۔ کھلے بالوں میں ہیرے بینڈ لگا تھا اور بینگز ماتھے پہ سیٹ تھے۔ (شاید کسی نے مینگز کے نام پہ اسے ساتھ ظلم کیا تھا۔) پتلی سی ناک، جو کہ کسی زیور سے خالی تھی۔ ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ کھلی سی شرٹ کے ساتھ جینز پہنے ہوئے وہ اچھی لگ رہی تھی۔ ہاتھ اس نے ہنوز آگے بڑھا رکھا تھا۔ زینیا کی نظر اس کے ہاتھوں تک گئی، اسکی ہر انگلی میں مختلف انگوٹھیاں اور چھلے تھے۔ کلائی میں تین سے چار چوڑیاں اور انکے ساتھ ایک موتیوں والا کڑا۔ اسکا مجموعی تاثر ایک پرکشش، آزاد، کری ایٹو، اور فریش سا آتا تھا۔

"ہیلو زینم۔" اب کی بار اس نے ذرا جتا کر کہا۔ (ہنہ شیزل کو آج تک کسی نے اگنور نہیں کیا۔) زینیا بغیر ہاتھ ملائے آگے بڑھنے لگی۔

"میرا نام زینیا حاکم ہے۔ زینم نہیں۔" وہ دروازے کے اندر جاتے ہوئے بولی۔

"ہاں تو زینیا کا 'زین' اور حاکم کا 'م' یہ ہو گیا زینم۔ (کوئی اسکی creativity کا کچھ کرے)"

"مجھ سے پوچھے بغیر آپ میرے نام کے ساتھ اتنا بڑا چینج نہیں کر سکتیں۔" وہ اب ادھیڑ عمر عورت کے پیچھے پیچھے تھے۔ ایک لاؤنچ نما جگہ پہ آکر وہ رکی تھیں۔ اور اپنے مہمانوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"شیزل کی creativity شیزل کی بھی مرضی نہیں پوچھتی تم تو پھر تم ہو۔" وہ تم کہہ رہی تھی۔ لیکن آپ والے انداز میں۔ شاید اس نے سب کی سنی، اور اپنی کرنی سیکھی تھی۔

زینیا سر جھٹکتی آگے بڑھ آئی۔ بشر کے ساتھ والے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے وہ آرام دہ تھی۔ ادھیڑ عمر

عورت کی طرف دیکھو تو وہ کوئی پچپن چھپن برس کی کافی فر بہہ عورت تھیں۔ سرخ و سپید رنگت

، بھورے بال جو کہ جوڑے میں بند تھے۔ چہرے کے نقوش بس واجبی تھے، البتہ تاثرات میں سختی سی

تھی۔ سیاہ چکن کاری کے سوٹ میں ملبوس دوپٹہ سر پہ اوڑھے افروزہ بیگم کافی با وقار معلوم ہوتی تھیں۔

رسمی حال احوال کے بعد وہ اصل بات کی طرف آئی تھیں۔ بشر اور زینیا کے چہروں پہ نظر گاڑے ہوئے وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔ عروج بے زاری سے سر یہاں سے وہاں گھما رہی تھی۔

"پندرہ سال پہلے میرے دونوں بیٹے امریکہ شفٹ ہو گئے تھے۔ انکے بعد میں یہاں یہ پرائیویٹ ہاسٹل چلاتی ہوں۔ ہاسٹل بس ایک بہانہ ہے دراصل یہ میری تنہائی دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس شاہانہ اور بڑے گھر میں خرچے بھی بڑے ہیں لیکن میری تنہائی کی قیمت کے آگے یہ سب کچھ نہیں۔" وہ ایک پل کو رکیں۔ "یہاں رہنے والی تمام بچیاں میری دوستوں کی بیٹیاں، بھتیجیاں یا پھر رشتے دار ہیں۔ کسی غیر کو یہاں نہیں رکھتی میں، جوان لڑکیاں ذمہ داری ہوتی ہیں۔ زینیا حاکم تمہیں یہاں رکھنے کی وجہ، تمہاری ذہانت ہے۔ میں تمہیں ضائع نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔"

زینیا نے سر کے خم سے شکریہ ادا کیا۔ چند ایک مزید باتوں کے بات بشر جانے کو اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ گو کہ اس کا دل مطمئن نہیں تھا۔ لیکن کئی بار دل کو چپ کروانا پڑتا ہے۔ وہ افروزہ بیگم کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ سنجیدہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میں اللہ کے بعد اپنی بہن کو آپ کے آسرے چھوڑ رہا ہوں۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے آپ کے ادارے یا آپ کے بارے میں کوئی انفارمیشن نہیں لی تو یہ غلط ہوگا۔ میں نے آدھے اسلام آباد سے سوال کئے ہیں۔ لیکن میری تسلی نہیں ہوئی شاید کبھی ہو بھی نہ۔" اس نے کندھے اچکائے۔ "میری بہن یہاں ہے میں تو چلتی ہوا پہ بھی شک کروں گا۔ لیکن مجھے امید ہے آپ اسکا دھیان رکھیں گی۔"

افروزہ بیگم کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ایسے غیر مطمئن چہرے، ایسے آدھے اعتبار والے لوگ وہ آئے دن دیکھتی تھیں۔ بشر اب کے زینیا کی طرف مڑا اسے دیکھ کر وہ مسکرایا، زینیا بھی مسکرائی۔ بشر نے آگے بڑھ کر اسے کندھے سے لگایا۔ عام بہنیں اس وقت اپنے بھائی کی آدھی شرٹ گیلی کر دیتیں۔ لیکن زینیا حاکم ڈھیٹوں کی طرح آنسوؤں پہ بند لگائے کھڑی رہی۔

وہ مڑ گیا، عروج اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ جاتے جاتے اس نے کئی بار پلٹ پلٹ کر اپنی بہن کو دیکھا تھا۔ اور پھر بلاخر وہ چلا گیا۔ اسے جانا ہی تھا۔ دروازے سے باہر نکلتے گاڑی کی طرف جاتے ہوئے عروج نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ بشر چونک کر مڑا، وہ موبائل ہاتھ میں لئے کیمرا آن کئے کھڑی تھی۔ آنکھوں میں مٹی سا تاثر تھا۔

"ایک چھوٹی سی ویڈیو بناؤں گی بس پلیز۔؟ بس ہاتھ پکڑ کر گاڑی تک چلنا ہوگا بس اتنا سا پلیز بشر۔" وہ جواب دیئے بغیر سنجیدگی سے کھڑا رہا۔ عروج نے چہرے پہ مزید مسکینیت طاری کر لی۔

"ایک ویڈیو سے کیا ہو جائے گا۔؟ چہرہ بھی نہیں آئے گا تمہارا بس ساتھ چلنا ہے، اسٹیٹس لگاؤں گی یا ر پلیز۔ پلیز بشر مان جاؤ۔ دیکھو شوہر نہیں ہو میرے۔؟"

بشر نے تھکی ہوئی سانس ہوا کے سپرد کی، عروج کے ہاتھ سمیت اپنا ہاتھ بلند کیا۔

"ہاتھ تو پکڑا ہوا ہے، اور آگے تم کھڑی ہو۔ کیسے چلوں۔۔؟" یعنی وہ مان گیا تھا۔ اوہ خدایا وہ مان گیا تھا۔

اگلے چند پلوں میں وہ چھ فٹ کا سنجیدہ، برد بار لڑکا اپنی بیوی کے اشارے پہ ٹک ٹاک بنا رہا تھا۔ یہ

عورتیں کیا کیا کام کروا لیتی ہیں۔؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چند دن قبل۔۔

گوا در پورٹ پہ اس وقت لوگوں کا ایک جم غفیر موجود تھا۔ یہاں سے وہاں چکر لگاتے، اپنا سامان اٹھاتے اور اپنے کاموں کو جاتے، اونچی بولیاں کہتے لوگ۔ اور ان سب کے درمیان دو مرد بھی تھے۔ ایک سبز آنکھوں والا سیاح، اور دوسرا سیاہ آنکھوں والا سیریل کلر۔

"تمہیں کیا لگتا ہے وہ آجائے گی۔؟" قیس کی سنجیدہ آواز پہ بھی مہدی نے اسکی طرف نہیں دیکھا۔ وہ دونوں بیچ پہ بیٹھے تھے آس پاس لوگوں کے بولنے کی آوازیں آتی تھیں۔ یہاں سے کئی لوگوں نے بحری سفر کو روانہ ہونا تھا۔

"میں نے اسکی نیبی کو خرید لیا ہے۔ وہ اسے گھمانے کے بہانے یہاں لے آئے گی۔ تم مل لینا۔"

"میں مزید پانچ منٹ سے زیادہ اسکا انتظار نہیں کرنے والا۔ اتنی اہم نہیں ہے وہ۔۔" قیس نے گھڑی دیکھتے ہوئے اعلان کیا۔ مہدی نے البتہ دھیان نہیں دیا۔ ابھی دو منٹ ہی گزرے تھے کہ لوگوں کے جم غفیر کے درمیان، بھانت بھانت کی بولیوں اور غیر شناسا لوگوں کے درمیان دو مردوں نے ایک شناسا چہرہ دیکھا، ایک جانی پہچانی آواز سنی، اور ایک اپنا اپنا سا چہرہ دیکھا۔ وہ کوئی پانچ چھ سالہ بچی تھی۔ لیکن اپنے قد اور وزن سے آٹھ، دس سال سے کم کی نہیں لگتی تھی۔ اس کے بال پونی میں بندھے تھے، جن

میں ڈھیر سارے رنگین کلپس لگے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر چینی نقوش والی عورت نے اسکا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ بچی زور زور سے سر ہلاتی ناخوشی سے کچھ کہہ رہی تھی۔ پھول دار فراک یہاں سے وہاں لہرا رہی تھی۔ اسی لمحے اسکی نظر بیچ پہ بیٹھے دو لوگوں پہ پڑی۔ خفت سے وہ گردن دائیں بائیں موڑنے لگی (اداکارہ نہ ہو تو۔) ساتھ ساتھ اپنے بالوں کو نا محسوس انداز میں سنوارا۔ اس سارے وقت میں قیس بس سانس روکے یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ مہدی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گیا۔ ایزل کی آنکھیں شرارت سے چمکیں، وہ اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوئے دوڑتی ہوئی اسکے پاس آ رہی تھی۔ مہدی مسکرا کر اسے دیکھتا رہا۔ وہ قریب آ کر مہدی کے گلے سے لگ گئی۔ سکون، کاملیت، احساس محبت، مہدی کے خون میں دوڑ گیا۔ وہ ایک بار پھر کئی لمحے اسے سینے سے لگائے بیٹھا رہا۔ قیس بس انہیں دیکھ رہا تھا۔ مہدی سے الگ ہوتے ہوئے وہ اب تیز تیز بول رہی تھی۔

"پتہ ہے میں کل رات کتنا ڈر گئی تھی۔؟ پتہ ہے میرے اسکول فرینڈز آپ کو کتنا پسند کرتے ہیں۔ ویٹ آپ کو پتہ ہے آپ کی اور میری آنکھیں ایک . . . . جیسی ہیں۔ سیم سیم۔...."

"اچھا اچھا ان سے تو ملو۔" مہدی نے دونوں کندھوں سے پکڑ کر اسکا رخ قیس کی جانب موڑا۔ ایزل نے بے یقینی سے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔



"او مائی گاڈ آپ قیس ماموں ہیں ناں۔۔؟" وہ منہ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پیچھے کو ہوئی۔ قیس بے اختیار مسکرایا۔

"آئی نو آئی نو آپ کے اندر بہت ایٹیٹیوڈ ہے۔ آئی نو آپ لوگوں سے نہیں ملتے۔ لیکن میں تو آپ کی بھانجی ہوں ناں۔؟"

"No hugs for me?"

بلاشبہ وہ اپنے باپ کی طرح بہت بولتی تھی۔ قیس ایک بار پھر سے کھل کر مسکرانا چاہتا تھا۔ لیکن اونہوں وہ یوں جذبات کا اندھا تھوڑی تھا۔ وہ جب کچھ نہیں بولا تو ایزل نے مہدی کی طرف دیکھا۔ آنکھیں مشکوک انداز میں چھوٹی ہوئیں۔ دونوں ہاتھ مہدی کے کندھے پہ رکھے وہ اسکے کان کے قریب جھکی۔

"کہیں یہ گونگے تو نہیں۔۔؟" اسے لگا تھا اس نے سرگوشی کی ہے، لیکن قیس نے باخوبی سنی تھی۔ وہ

خود کو سنجیدہ ظاہر کئے گردن مزید تان کر بیٹھ گیا۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھالی، اور آنکھوں میں مجھے کوئی فرق



نہیں پڑتا والا تاثر تھا۔ مہدی اور ایزل نے اب کے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ مسکراہٹ دبائے ہوئے تھا

۔

"تم اسکے لئے گفٹ لائی ہونا۔؟ اینگری برڈ گفٹ سے خوش ہو جاتا ہے۔۔" اسکی بات پہ ایزل کا چہرہ کھل اٹھا۔ کندھے پہ لٹکا چھوٹا سا بیگ پیک اتار کر اب وہ اس میں ہاتھ مار رہی تھی۔ قیس یوں تو ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے گردن تان کر بیٹھا تھا۔ لیکن کناکھیوں سے وہ اسکی ساری کاروائی دیکھ رہا تھا۔ اور پھر بلاخر ایزل محب ملک نے اپنے بیگ سے چند سکے برآمد کر لئے تھے۔ سرخ گالوں اور چمکتی آنکھوں سے اس نے وہ سکے قیس کی جانب بڑھائے۔ قیس نے اسکے ننھے ننھے بڑھے ہوئے ہاتھ دیکھے مگر رخ موڑ لیا۔ مہدی کلس کر رہ گیا۔ (اتنی اداکاری کیوں کر رہا ہے۔) ایزل نے ہار نہ مانی وہ آگے بڑھ آئی گھٹنے پہ رکھی اسکی بند مٹھی کھولی، اور پھر تین سکے اسکے ہاتھ پہ رکھے۔

"مجھے پتہ ہے آپ کو کرنسی جمع کرنے کا شوق ہے۔" آنکھیں جھپکا کر تسلی دی گئی۔ قیس اسکی معصومیت پہ مبہوت رہ گیا۔

"still no hugs for me?" وہ آنکھوں میں امید لئے اسے دیکھ رہی تھی۔

اور پھر گوا در پورٹ کے اونچے جہازوں ، چلتے پھرتے لوگ اور سمندر کی ہواؤں نے قیس کبیر کو اپنی جگہ سے اٹھتے ، اور پھر گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھتے دیکھا۔

"no hugs for me?" وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ ایزل کھکھلا کر ہنس پڑی۔ ساتھ ہی فوراً اسکے گلے سے آگئی۔ قیس نہیں جانتا تھا یہ کونسے احساسات ہیں۔ یہ لمس اتنا سکون بخش کیوں تھا۔ یہ چھوٹی سی بچی اسے گھٹنوں پہ کیوں لے آئی تھی۔ وہ بس یہ جانتا تھا کہ اسکا دل اس بچی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ خون کے رشتوں میں فاصلے اہمیت نہیں رکھتے۔ کئی سالوں بعد بھی ملاقات ہو جائے تو گلے لگاتے وقت دل کو میٹھی راحت اور روح کو ٹھنڈا سکون ملتا ہے۔ کوئی شخص یہ احساس صرف تب محسوس کر سکتا ہے جب وہ اپنے خون کے رشتوں سے کئی سال دور رہا ہو۔

"ماما آپ کو بہت مس کرتی ہیں۔" ایزل نے اسکے کان میں سرگوشی کی۔ قیس تھم گیا۔ جھماکے سے سب یاد آیا۔ دل ایک نئے سرے سے دکھ گیا۔ وہ اگلے کئی لمحے اسے سینے سے لگائے بیٹھا رہا۔ کبھی اسکے بال تھپکتا ، کبھی کندھا چومتا۔ ان لمحوں کو ختم نہیں ہونا چاہیے تھا کبھی نہیں۔ اسی لمحے مہدی کا موبائل بجنے لگا۔ آپا کالنگ کے الفاظ جگمگائے۔ ایک لمحے کے لئے وہ سانس نہیں لے سکا۔ مہدی کئی لمحے یونہی شل کھڑا رہا اور پھر وہ ان دونوں کو چھوڑ اب دوسری طرف چلا آیا۔

"آپ کو پتہ ہے میرے اسکول میں سب کو پتہ ہے کہ میرے دو ماموں ہیں۔ دونوں ہینڈ سم، اور پاکستان میں ہمارا ایک بہت بڑا گھر ہے۔ اور میرے دونوں ماموں حد سے زیادہ ہینڈ سم ہیں۔۔" وہ مسلسل بولے جا رہی تھی۔ قیس اسے اٹھائے بیچ پہ چلا آیا۔

"اچھا یہ بتاؤ میں زیادہ ہینڈ سم ہوں یا مہدی۔؟" وہ اسے گود میں بٹھائے ہوئے تھا۔ ایزل نے چند لمحے سوچنے کی اداکاری کی۔

"مہدی کے پاس دنیا کی سب سے خوبصورت آنکھیں ہیں۔ اور آپ کے پاس دنیا کے سب سے خوبصورت بال۔" وہ شستہ انگریزی میں بولی۔ قیس ہنس پڑا۔ وہ اکثر یہی سوال میرہ سے بھی کرتا تھا۔ جواب دونوں کا یہی ہوتا تھا۔ قیس نے نوٹ کیا وہ بہت بولتی تھی۔ بہت زیادہ۔ کسی اور کو بولنے کا موقع وہ بہت کم دیتی تھی۔

"تم نے مجھے کیسے پہچانا؟ ہم تو پہلے کبھی نہیں ملے۔۔"

"میں نے آپ کی تصویریں، انٹرویوز، ویڈیوز سب دیکھا ہے۔ آپ ہم سے ملنے کیوں نہیں آتے۔۔؟"

"تم نے کبھی بلایا ہی نہیں۔۔" قیس نے آہستگی سے اس کے بال سنوارے۔ آواز بے حد ہلکی تھی۔

"میں نے تو آج بھی نہیں بلایا تھا۔ ماما کہتی ہیں آپ اپنی مرضی کرتے ہیں۔۔"

"اپنی ماما سے کہنا وہ نہیں کرتی کیا۔۔؟" نہ جانے کیوں وہ ایک بچی کے سامنے شکوہ کر بیٹھا۔ یہاں سے ذرا فاصلے پہ کھڑے مہدی نے موبائل کان سے لگا رکھا تھا۔ آنکھیں نیم مردہ تھیں۔ وہ اسے بلا رہی تھی۔ مہدی کو چاہیے تھا کہ جائے۔

"میں جانتی ہوں تم ایزل سے ملے ہو، میں جانتی ہوں وہ اس وقت بھی تمہارے ساتھ ہے۔" وہ آنسوؤں کے درمیان با مشکل بول رہی تھی۔ "بس ایک بار مہدی بس ایک بار پہل کرو۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت ہمیں جدا نہیں کر سکتی۔ صرف ایک بار مہدی۔"

"تمہیں مجھ سے ضد ہے۔ تو مجھے تم سے زیادہ ہے۔" مہدی نے دھیرے سے سرگوشی کی۔ "ہم ملیں گے یا تو اسلام آباد میں یا پھر عالم ارواح میں پہل تم نہیں کرو گی تو میں بھی نہیں کروں گا۔" دوسری جانب موجود عورت کی ہچکیاں بلند ہونے لگیں۔ مہدی فون کان سے اتار چکا تھا۔ کال ختم کر کے اب وہ تیز تیز قدموں سے ایزل اور قیس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ بیچ کے قریب پہنچ کر اس نے ایزل کو قیس کی گود سے اٹھا لیا۔

"یہ کیا بد تمیزی ہے۔ اسے واپس بٹھاؤ۔" قیس نے ناگواری سے ٹوکا۔ مہدی نے غور نہیں کیا۔ بس ایک بار سکون سے اسے گلے لگایا اور پھر نیچے اتار دیا۔

"ہماری بات چل رہی تھی مہدی، بد تمیزی کی انتہا ہو گئی ہے۔ اسے واپس بٹھاؤ یہاں۔۔" مہدی نے سنی ان سنی کرتے ہوئے ایزل کو نیچے اتارا، جھک کر اسکے دونوں گال چومے۔

"ہم دوبارہ ملیں گے۔ ابھی تم اپنی ماما کے پاس جا رہی ہو اوکے۔۔؟" ایزل نے برا سا منہ بنا لیا تھا البتہ بولی کچھ نہیں۔ مہدی پہ ایک خفا خفا سی نظر ڈال کر وہ قیس کی جانب بڑھی۔ پھر انگلی کے اشارے سے اسے نیچے جھکنے کو کہا۔ وہ جو تنے ہوئے تاثرات لئے مہدی کو دیکھ رہا تھا۔ ناچاہتے ہوئے بھی چہرہ اسکی جانب جھکا دیا۔ ایزل نے باری باری اسکے دونوں گال چومے۔ قیس بے اختیار زور سے ہنسا تھا۔ اس نے یہ نہیں سوچا تھا ہاتھ بڑھا کر قیس کے بالوں کو ہلکے سے بگاڑتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی۔ جاتے جاتے ایک خفا نظر مہدی پہ ضرور ڈالی تھی ساتھ بے آواز بڑبڑائی تھی۔

"we are not done yet" مہدی تکان زدہ سا مسکرا دیا۔ وہ چلی گئی تو قیس نے اسے دیکھا۔ سخت جتاتی نظریں۔ "ہم بات کر رہے تھے تم نے دیکھا نہیں۔۔؟" مہدی بیچ پہ اسکے ساتھ آ کر بیٹھا۔

"کیا ضرورت تھی بات کرنے کی، جب تمہیں اس سے کوئی مطلب ہی نہیں تھا۔ وہ تمہیں اتنا اڑیکٹ کیوں کر رہی تھی۔۔" اس نے تھکن سے گردن پیچھے پھینک دی۔ قیس لا جواب سا ہوا۔

"اسکی آنکھیں مجھ سے ملتی تھیں۔ بس اسی لئے۔۔"

"اسکی آنکھیں سبز ہیں نائٹ میئر۔ میرے جیسی سیم سیم۔۔" بتایا گیا۔

"اسکے بال میرے جیسے تھے، ناک بھی، اور ہاتھ بھی۔" قیس نے ایک اور تاویل پیش کی۔

مہدی دھیرے سے ہنس دیا۔ "وہ ساری کی ساری اپنے باپ کے جیسی ہے نائٹ میئر۔"

"یعنی اسکے پاس کچھ بھی میرے جیسا نہیں ہے۔؟" وہ خفا ہوا تھا۔ مہدی ایک بار پھر مسکرایا۔ قیس جنکو

چاہتا تھا انکے اندر مماثلت ڈھونڈا کرتا تھا۔ اب جب تک نہیں ملتی اسے سکون کہاں آتا تھا۔؟

"اس نے اگر تم سے کچھ لیا ہے تو وہ ہے لمبی زبان، اور اپنی باتیں منوانا۔ اور شاید ذہانت بھی۔۔" اس

نے ایک ایک کر کے گنوا یا۔ اب کے قیس کھل کر مسکرایا تھا۔ اسی لمحے عین اسی لمحے اسکا موبائل

تھر تھرایا۔ قیس نے مسکراتے ہوئے ایک اچھٹی سی نگاہ کالر آئی ڈی پہ ڈالی۔ یہ اسکا دوسرا موبائل تھا

- اور اگلے کئی لمحے وہ سانس نہیں لے سکا۔ یہ وہی نمبر تھا۔ وہ اسے کال کر رہی تھی۔ وہ جس کے لئے قیس میلوں کا سفر کر کے یہاں آیا تھا۔

"یہاں سے چلو نائٹ میئر۔ پلیز یہاں سے چلو۔ یہ شہر میرا دم گھونٹ رہا ہے۔ کچھ دیر مزید یہاں رہا تو مجھے نہیں پتہ میں کیا کر گزروں گا۔ پلیز یہاں سے چلو۔۔" مہدی سر ہاتھوں میں دیئے تکلیف سے بڑبڑا رہا تھا۔ قیس نے موبائل سے نگاہیں نہ اٹھائیں۔ وہ مثبت جواب دینا چاہتا تھا۔ وہ کم از کم اسے تسلی دے آنا چاہتا تھا۔ لیکن شاید دیر ہو چکی تھی۔

"کیا ہم تھوڑی دیر رک نہیں سکتے۔ اپنے خاندان کی فکر میں، میرا ایک اہم کام رہ گیا ہے۔۔" وہ دھیمی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

"یہاں گزرا ہر لمحہ محب کی موت اور میری پھانسی کے قریب آتا جائے گا۔ باقی جیسا تم کہو۔۔" اس وقت مہدی جتنا سفاک تھا۔ شاید ہی کبھی ہوا ہو۔ قیس نے اپنے خاندان کے ایک مرد کو ایک عورت پہ ترجیح دی۔

وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر چکا تھا۔ اور غلطیوں کے انجام بھگتنے پڑتے ہیں۔



افروزہ بیگم کے بنگلے میں واپس آؤ تو دو لڑکیاں ساتھ ساتھ چلتی نظر آئیں گی۔ لاؤنج سے نکل کر ایک بڑا سا ہال آتا تھا۔ جہاں اس وقت زینیا حاکم تھی۔ شیزل سیمسن اسکے آگے آگے چل رہی تھی۔ آنٹی نے اسے ذمہ داری دی تھی۔ اور ذمہ داریاں نبھانا تو اسکے لئے کبھی مشکل نہیں رہا تھا۔

"یہ نچلا پورشن آنٹی کا ہے۔ یہاں وہ کسی کی تیری میری نہیں سنتیں۔ سو یہاں داخلہ ممنوع سمجھو۔" وہ سمجھاتے ہوئے اب اندرونی زینوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ زینوں کے ساتھ والی دیوار پہ مختلف پینٹنگز ٹنگی تھیں۔ "تم یہاں آنٹی کے ساتھ رہتی ہو۔۔؟" زینیا حاکم کا پہلا سوال۔

"نہیں جی میں تو باہر سڑک پہ جھگی لگا کر رہتی ہوں۔" اس کی خوبیوں میں ایک اور خوبی وہ سیدھی بات کا سیدھا جواب نہیں دیتی۔

"میں یہاں چار سال سے رہ رہی ہوں۔ شیزل یہاں سب کو جانتی ہے۔ یہاں کے سارے لوگ میرے لئے آئینہ ہیں۔ تمہیں یہاں کچھ بھی چاہیے تم مجھ سے مدد مانگ سکتی ہو۔" وہ اب بھی لکڑی کے نہ ختم ہونے والے ذینوں پہ تھے۔



"کیوں کیا تم نے یہاں سب کی مسیحا بننے کی ٹھان رکھی ہے۔۔؟" اوپر ی منزل کے فرش کو چھوتی آخری سیڑھی پہ شیزل رک گئی۔ گھوم کر اسکو دیکھا۔

"یہ مسیحا بننے کی لگن نہیں ہے، یہ خود شناسی ہے۔ مجھ سے بہتر تمہاری مدد کوئی کر نہیں سکتا۔ گھوم پھر کر تمہیں میرے پاس ہی آنا ہے، تو اس لیے مس زینم (وہ یہ نام لے کر جتا رہی تھی کہ کرنی اس نے اپنی ہے۔) اگر کبھی تمہیں کوئی مدد چاہیے ہو تو تم مجھ سے رابطہ کر سکتی ہو۔" شان نے نیازی سے آفر دی گئی۔

زینیا اس سے دو سیڑھیاں نیچے تھی۔ اس نے یہ دو منزلیں بھی طے کیں اور عین اسکے سامنے آ کر کھڑی ہوئی۔ دو دراز قد لڑکیاں ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھیں۔

"میرا سوال اب بھی وہیں ہے۔ کیا تم نے سب کی مسیحا بننے کی ٹھان رکھی ہے۔۔؟"

شیزل نے آنکھیں پٹپٹائیں۔ "میں وائز پہ یقین رکھتی ہوں۔ اور تمہاری وائز کہتی ہیں تمہیں شیزل کی ضرورت ہے۔ مفت میں مدد نہیں کرتی میں ویسے۔۔" وہ ایک بار پھر گھوم کر آگے بڑھ گئی۔ "میں دو

صورتوں میں مدد کرتی ہوں۔ پہلی کسی کو واقعی مدد کی ضرورت ہو۔ دوسری میری بغیر زیور والی ناک اونچی رہے۔ خیر یہ رہا تمہارا کمرہ۔"

اس نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ اوپری منزل پہ قطار میں کئی کمرے بنے تھے۔ بھوری لکڑی کے دروازے بند تھے۔ "کیا تم میری روم میٹ ہو۔۔؟" زینیا نے ٹھہر کر پوچھا۔

شینزل نے ایک ادا سے نفی میں سر ہلایا۔ "شینزل سیمسن ایک تحفہ ہے جو ہر کسی کو نہیں ملتا۔۔" وہ ایڑھیوں کے بل گھوم کر ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھولتی اندر چلی گئی۔ زینیا نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ یہ کیا چیز تھی۔؟

اپنے کمرے کا دروازہ کھولتی زینیا اندر آئی تو اس نے کمرے کی جو حالت دیکھی وہ کم از کم اس پرفیکشنسٹ عورت کے لئے ناقابل معافی تھا۔ دو سنگل بیڈ کمرے کے دونوں کونوں میں رکھے تھے۔ جن کے اوپر دنیا جہاں کا گند پڑا تھا۔ ایک طرف بڑا سا سپیکر رکھا تھا، کیسٹس، آڈیو سی ڈیز، اور کئی قسم کے میوزیکل انسٹرومنٹ یہاں سے وہاں بکھرے پڑے تھے۔ شاید اسکی روم میٹ میوزک کی شوقین تھی۔ دیواروں پہ جا بجا پوسٹرز لگے تھے، جن میں کوئی لڑکی گٹار لئے کھڑی تھی، تو کبھی مائیک۔ شاید وہ اسکی

روم میٹ ہی تھی۔ کمرے کا تفصیلی جائزہ لیتے اسی لمحے اسکا موبائل تھر تھرایا۔ کہنی پہ ٹٹکے بیگ سے فون نکال کر دیکھا۔ واٹس ایپ نوٹیفکیشن تھا۔ بالاج کی دس مسڈ کالز لگی تھیں۔ اس نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ خوش قسمتی سے وہ جس کمرے میں تھی اسکے ساتھ بالکنی کا دروازہ لگا کرتا تھا۔ لکڑی کا بھورا دروازہ پار کرتی وہ بالکنی میں چلی آئی۔ رات اتر آئی تھی۔ ہمسائیہ گھر کے منظر پہ لگی بتیاں اس وقت زینیا کے چہرے پہ پڑ رہی تھیں۔

زینیا نے فوراً واٹس ایپ پہ بالاج کی چیٹ کھولی، اس کو کال ملانے لگی۔ پہلی بیل رد کی گئی، دوسری بیل بج بج تر تھک گئی۔ تیسری بیل پہ فون اٹھا لیا گیا تھا۔ ایک ہفتے کی دلہن کو جن الفاظ کی توقع تھی۔ اسکے شوہر کے الفاظ اسکے بالکل برعکس تھے۔

"فائنلی تمہیں یاد آگیا کہ تمہارا ایک عدد شوہر بھی ہے۔ اتنی بری یادداشت تو نہیں تھی تمہاری۔۔" وہ چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ ایک لمحے کو زینیا حاکم کا دل کیا تھا کہ کھری کھری سنا دے۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی کیوں اور کس لئے اس نے "سچائی" کی جگہ "صفائی" دینی چاہی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بالاج . . . . میں ذرا مصروف تھی۔" وہ ایک پل کو رکی، الفاظ متجمع کئے " راستے شاید سگنل بھی نہیں تھے۔" اس نے اضافہ کیا۔

"کونسا راستہ۔؟" بالاج فوراً الرٹ ہوا۔

"اسلام آباد کا راستہ اور کونسا خیر آپ یہ بتائیں آپ ٹھیک ہیں۔۔" اس نے گردن پیچھے کرتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ تھک چکی تھی۔ بالاج کئی لمحے خاموش رہا۔ یوں جیسے اسکے الفاظ پر اسیس نہ کر پایا ہو۔

"تم . میری اجازت . . . کے بغیر . . . اسلام آباد . . گئی کیسے۔ جرات کیسے ہوئی تمہاری۔؟" ایک ایک لفظ پہ زور دیا گیا۔

"آپ مجھ سے مشورہ کئے بغیر سعودی عرب کیسے چلے گئے۔۔؟" وہ کہنا یہی چاہتی تھی لیکن، عورت چاہے امیر ہو چاہے غریب، چاہے کیریئر وومن ہو، چاہے ہاؤس وائف شادی کے شروعاتی دنوں میں وہ "باؤنڈری" نہیں "بنیادیں" بناتی ہے۔ اور بنیادیں کیسے بنتی ہیں۔؟ محنت سے، لگن سے، جل کر، سہہ کر۔

"مجھے پوچھنا چاہیے تھا۔ میں بھول گئی۔۔" اس نے ماتھے کو چھوا لہجے کو بہت کوشش سے نارمل رکھا۔

(اماں نے کہا تھا عورت صبر کرتی ہے اسے صبر کرنا تھا۔) بالاج مزید چند منٹ اس ہفتے میں زینیا کی تمام کوتاہیاں اسے یاد دلاتا رہا۔ چند میں اسکا شکوہ یہ تھا کہ زینیا اپنی ساس کے ساتھ زیادہ بولی کیوں نہیں۔ وہ شروع سے نہیں بولتی تھی۔ کیا شادی کے بعد اس کے اندر نئے سیل ڈلے تھے۔؟

جب بالاج کی بہن نے زینیا کے جوتوں کی تعریف کی تو زینیا نے وہ جوتے اسے کیوں نہیں دے دیئے۔ بالاج کی بہن نے دن میں اسکی دس چیزوں کی تعریف کی تھی کیا سب کچھ اتار کر دے دے۔؟ وہ مزید بولتا، اور اسکی غلطیاں گنواتا رہتا اگر زینیا اسے ٹوکتی نہیں۔

"بالاج . . میں تھکی ہوئی ہوں۔ آپ مجھے مزید تھکا رہے ہیں۔ کیا آپ کی بیوی ایسا لہجہ ڈیزرو کرتی ہے۔۔؟" وہ زینیا حاکم تھی اسکا لہجہ اسکا اعتماد وہ کسی بھی مرد کو اپنا بسل کر سکتی تھی۔ بالاج بھی تھم گیا۔ چند پل زینیا اسے سفر کا احوال سناتی رہی، وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

"مجھے اپنی پکچرز بھیجو۔ تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ کافی دیر بعد بولا تو لہجہ دھیما اور خوبصورت تھا۔ زینیا نے گہری سانس لی۔ اور کال کے دوران ہی چند تصاویر اسے بھیج دیں۔ موبائل اسپیکر پہ ڈال دیا۔ بھیجی گئی

تصاویر پہ نیلا ٹک لگا تھا۔ ساتھ ڈھیر سارے توصیفی کلمات۔ وہ مسکرائی تھی۔ دھیرے سے، نرمی سے۔

ساری تھکن اترنے لگی۔ شوہر کے کہے گئے چند توصیفی کلمات عورت کا موڈ اور زندگی دونوں بدل سکتے ہیں۔

چند مزید باتوں کے بعد اس نے کال کاٹ دی تھی۔ اسی لمحے زینیا نے مڑ کر دیکھا دروازے کی چوکھٹ

پہ وہ کھڑی تھی۔ بازو سینے پہ باندھے، تیز نظروں سے زینیا کو دیکھتی ہوئی۔

"اگر بوائے فرینڈ ہے تو اوقات میں رکھو، اور اگر شوہر ہے تو باؤنڈری بناؤ۔" زینیا نے سنجیدگی سے اسے

دیکھا۔

"اور بنیا دوں کا کیا۔؟" صد شکر کہ اس نے برا نہیں منایا۔

"بنیا دیں بھی وہیں بنتی ہیں جہاں باؤنڈریز ہوں۔"

"ایکسپلین۔" سینے پہ بازو باندھے ایک لفظ بول کر زینیا نے اسے بولنے پہ اکسایا۔ وہ تو تیار تھی۔ ہاتھ اٹھا

اٹھا کر بولتی وہ آگے آئی۔

"دیکھو ہم نے ایک پلاٹ خریدا ہے۔ وہ کیا ہوئی ہماری باؤنڈری۔ اب ہم گھر کی بنیاد بھی اسی باؤنڈری

میں ڈالیں گے، یا پھر پاس والے کسی پلاٹ پہ قبضہ کر لیں گے۔؟ اسی لئے بنیادیں وہاں بنتی ہیں جہاں

باؤنڈریز ہوں۔" وہ بڑی بڑی باتیں نہیں کہتی تھی۔ لیکن اسکے الفاظوں کے پیچھے ایک لمبا پیغام ضرور ہوتا تھا۔

"ویسے میں نے اس سے زیادہ چیپ وضاحت کبھی نہیں سنی۔۔" زینیا نے نزاکت سے کندھے اچکائے۔ کسی کی برتری قبول کرنا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

"ایک انٹیریئر ڈیزائنر اپنی بات اس سے بہتر نہیں سمجھا سکتا۔" اس نے بھی کندھوں سے بوجھ جھاڑا۔ "میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا تھا ویسے۔" الماری کی طرف بڑھتی زینیا نے لا پرواہی سے کہا۔

"شینزل سانس لیتی ہے تو آئیڈیاز جھڑ کر گرتے ہیں۔ لے لو یا چھوڑ دو۔" اسے گویا فرق ہی نہ پڑا۔، "اور ہاں نیچے آجاؤ کھانا لگ گیا ہے۔" وہ کہہ کر جانے لگی جب الماری کے پٹ واکنے کھڑی زینیا نے اسے پکارا۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی، تاثرات عجیب ہونے لگے۔

"اور اگر باؤنڈریز کام نہ کریں۔ اور اگر سب بے کار چلا جائے تو۔۔؟" شینزل تھم گئی۔ دروازے کے ہینڈل پہ اسکا ہاتھ کی سست ہوئی۔

"اگر باؤنڈریز کام نہ کریں، اگر تعلق اس کے بعد بھی گرو نہ کرے تب بھی باؤنڈریز تمہیں پچھتاوے سے بچالیں گی۔ تب صرف تعلق ٹوٹنے کا غم رہے گا۔ کاش اس وقت یہ کر لیتے کاش یہاں یہ بولا ہوتا۔ یہ غم آپ کے ساتھ نہیں رہتا۔ تعلق میں کوشش اہمیت رکھتی ہے، نتائج نہیں۔۔"

وہ مڑے بغیر چلی گئی تھی۔ اور زینیا حاکم کے پاس تمام سوالوں کے جواب آچکے تھے۔ لیکن پہلی ملاقات میں اتنی زیادہ بات۔؟ زینیا کے اندر کے گمنام عورت نے سختی سے اسے ڈپٹا تھا۔

"اب یہ سامنے آئی تو بات نہیں کرنی ہاں یہی ٹھیک ہے۔"

☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح آسمان پہ سرمئی بادلوں کی ٹولیاں تھیں۔ اسلام آباد میں اکتوبر داخل ہو چکا تھا۔ نم جس زدہ ہواؤں کو الوداع اور جسم کو بھاتی پر سکون ٹھنڈی فضا کو خوش آمدید۔ زینیا اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی۔ اسکے عقب میں دو سنگل پلنگ تھے۔ گہرے جامنی رنگ کا سادہ اور کم کام والا لگھا پہنے بالوں کی چٹیا بنالی۔ فیروزے کی لونگ کی جگہ آج کسی اور زیور نے لے لی تھی۔ صبح صادق سے اس وقت صبح کے نو بجے تک وہ اپنے تمام کام کر چکی تھی۔ ناشتہ، اپنی الماری سیٹ، قریب ہی موجود



تمام عمارات کا جائزہ ، اور سب سے اہم اس گھر کی جائے فرار۔ کوئی نہ کوئی چور راستہ۔ جو کہ اسے کچن میں ملا تھا۔ یہ کوئی پر اپر کچن نہیں تھا۔ بنگلے کی عقبی لمبی سے گیلری میں نفاست اور کم جگہ میں سیٹ کی گئی ایک جگہ تھی۔ جہاں زیادہ سامان ، لوگ ، اور کھانا جمع ہو سکتا تھا۔ اور خوش قسمتی سے شیف ایک مرد تھا۔ جس کے آنے جانے کے لئے گھر کے عقبی حصے میں ایک دروازہ تھا۔ ایک چور دروازہ۔ اسکی روم میٹ اس وقت خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی۔ عجیب لڑکی تھی۔ بس سونے کے لئے واپس آئی تھی۔ زینیا نے شائستگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغیر لائٹ جلانے موبائل کی روشنی میں ہی سارے کام کئے تھے۔ سیڑھیوں سے اتر کے وہ نیچے آئی تو آنٹی اسے کہیں نظر نہ آئیں۔ لاؤنج سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ زینیا بھی اسی طرف چلی آئی۔ اور یہاں اسے دیکھنے کو ملا تھا وہ منظر جس کی اسے توقع نہیں تھی۔ مہدی کمبیر لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں چائے کا کپ تھا اور وہ بڑی ہی سنجیدگی سے آنٹی کی باتیں سن رہا تھا۔ سبز رنگ کی ٹی شرٹ کے ساتھ سفید رنگ کا سلیکس پہنے ہوئے اسکی گردن میں ایک چین لٹک رہی تھی۔ بازو پہ پلیسٹر چڑھا تھا۔ وہ کافی کمزور لگتا تھا۔ جس دوسری چیز نے زینیا کی توجہ گھیری تھی۔ وہ پھول تھے۔ سرخ رنگ کے پھولوں کا بکے جو آنٹی کی سامنے رکھا تھا۔ اور ایک کیکٹس کا گملہ جو مہدی نے اپنے ساتھ والی چھوٹی سی میز پہ رکھا ہوا تھا۔ زینیا چند لمحے یونہی چوکھٹ میں

کھڑی رہی، یہاں تک کہ مہدی کی نظر اس پہ پڑی۔ وہ مسکرایا۔ سادہ پر خلوص مسکراہٹ۔ البتہ آنٹی کی موجودگی میں اسے مخاطب نہیں کیا۔ ہاں بس اسے دیکھ کر اچھا لگا تھا۔

"ہیلو زینیا حاکم۔۔" وہ اسکی جانب دیکھتے ہوئے بے آواز بڑبڑایا۔

"ہیلو weirdo۔۔۔" اسکے لب بھی بے آواز تھے۔ لمحوں کا کھیل تھا اور بس۔ پھر وہ آنٹی کی طرف مڑی۔ "آنٹی مجھے اکیڈمی جانا تھا۔ آپ مجھے راستہ بتا سکتی ہیں۔۔؟"

"مہدی وہیں جا رہا ہے۔ جاؤ تمہیں چھوڑ دے گا۔ اور ایک بات تمہاری کلاسز شام میں ہوں گی۔ پانچ سے آٹھ۔ اس وقت تم بس ماحول اور جگہ دیکھ آؤ۔۔" انہوں نے تفصیلی جواب دیا۔ زینیا ابھی کہتی کہ "میں مینیج کر لوں گی" مہدی اٹھ کھڑا ہوا۔

"آؤ زینیا میں چھوڑ دیتا ہوں۔۔" آنٹی کو کوئی کال آگئی تھی۔ وہ مہدی کو اپنائیت والی مسکراہٹ سے دیکھتی باہر نکل گئی تھیں۔ چار و ناچار زینیا حاکم کو مہدی کے ساتھ جانا پڑا۔ گملہ بھی انکا ہمسفر رہا۔ گھر سے سڑک تک آتے ہوئے ان دونوں نے خاموشی اختیار کئے رکھی۔ اپنی گاڑی کے قریب جاتے مہدی نے رک کر گملہ اسکی جانب بڑھایا۔

"تم جیسے کانٹے کے لئے ایک کانٹا۔ ویلکم ٹو اسلام آباد۔۔" گیلی سڑک، اطراف کے گھروں سے جھانکتے درختوں کے سامنے مہدی نے اسے ایک گفٹ دینا چاہا۔

"کاش آپ کا تعاقب کار آپ کو مار دیتا اور میری جان چھوٹ جاتی۔" وہ کوفت سے بڑبڑائی۔۔ "میں یوں کسی سے گفٹ نہیں لیتی۔ اور گفٹ میں کانٹے تو ہرگز نہیں۔۔" اس نے گویا جھرجھری لی۔

"پھول لاتا تو تم کہتی 'آپ کب بڑے ہوں گے مسٹر کمبیر۔ میں زینیا حاکم ہوں مجھے تو کانٹے پسند ہیں'۔۔" وہ ہوہو اسکے انداز میں بولا تو زینیا کا دل کیا اسے مارگلہ کی پہاڑیوں سے نیچے پھینک دے۔ وہ ضبط کئے، کشادہ سڑک پہ چلتی رہی۔

"کاش وہ آپ کو واقعی مار دیتا۔" اس نے گویا یہی جواب رٹ رکھا تھا۔ مہدی مسکراتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف آیا۔ "آؤ میں تمہیں تمہاری منزل پہ چھوڑ آؤں۔" وہ گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ گملہ اب کے گاڑی کے اوپر رکھ دیا تھا۔ بیچارے کے پاس کام کرنے کو اب ایک ہی ہاتھ جو تھا۔

"میں زینیا حاکم ہوں چلتے پھرتے کسی کی گاڑی میں نہیں بیٹھ جاتی۔۔" مہدی نے گہری سانس بھر کر گاڑی کا دروازہ بند کیا۔ اپنا پودا واپس اٹھا لیا۔

"تم گاڑی میں نہیں بیٹھ سکتیں، لیکن میں تمہارے ساتھ پیدل چل سکتا ہوں۔ آؤ ویسے بھی اکیڈمی دور نہیں ہے۔"

اس نے زینیا کے ساتھ قدم بڑھائے گمہ اب بھی ہاتھ میں تھا۔ وہ دونوں لمبی گلی سے نکل رہے تھے۔ آگے مین روڈ آتا تھا۔

"اچھا یہ بتاؤ اسلام آباد کیسا لگا۔؟"

"بہت خاموش۔" دو لفظی جواب۔

"تم میرے شہر کے بارے میں صرف دو لفظ کہہ رہی ہو۔ یہ شہر ڈیزرو کرتا ہے کہ اسکی شان میں

کتابیں لکھی جائیں۔" لو جی ہو گئی اسلام آبادی کی محبت ہرٹ۔ زینیا اطراف میں دیکھتی چلتی رہی۔ دماغ اب بھی الجھا ہوا تھا۔

"کم از کم میں نے دو لفظ تو کہے، آپ نے تو میرے شہر کے لئے کچھ نہیں کہا۔۔" وہ سادہ لہجے میں بولی

-

"مجھے تمہارے شہر کا سن سیٹ بہت پسند ہے۔۔" مہدی نے تبصرہ کیا۔ بادل اب سیاہ سے سرمئی ہو رہے تھے۔ ہلکی ہلکی دھوپ اب بادلوں کو چیر کر باہر آنے لگی تھی۔ وہ دونوں اب مین روڈ کے اطراف میں چل رہے تھے۔ سڑکوں پہ زیادہ رش نہیں تھا۔

"تمہاری شادی ہو گئی۔۔؟"

"ہم ہو گئی۔۔۔" اسکا انداز بوجھل تھا۔

"خوش ہو۔۔؟" وہ دونوں ذرا ذرا سے فاصلے پہ چل رہے تھے۔ ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان۔ سڑک پہ کوئی اکا دکا گاڑی گزر رہی تھی۔

"خوشی کیا ہے۔۔۔؟"

"تم۔۔۔" ایک لفظی جواب۔

"میں کون ہوں۔۔؟" الجھا ہوا سوال۔

"یہ تو تمہیں بتانا ہو گا۔ میں نے اس روز ساحل پہ کہا تھا۔۔" تعارف قرض رہا۔ "کیا تم میرا مطلب

نہیں سمجھی تھیں۔۔؟"

زینیا نے کندھے اچکائے۔ "میں جانتی تھی یہ کوئی عام تعارف نہیں ہے۔ موٹیویشنل اسپیکر کچھ کھوج چکے ہیں۔" اسکی بات پہ مہدی دھیرے سے مسکرایا۔

"تو پھر کیا شروع کریں۔؟" وہ چمکتی آنکھوں سے بولا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا آپ کے ساتھ کوئی پر اہلم ہے مجھے سمجھنے دیں، پھر کیا خیال ہے شروع کریں۔؟" اب کے مہدی زور سے ہنسا تھا۔ زینیا بھی سر جھکا کر مسکرائی۔ ظاہر ہے راز دو گے، تو راز دیئے جائیں گے۔ پانچ منٹ میں ہی وہ دونوں اکیڈمی آگئے تھے۔ مہدی نے گملہ ایک بار پھر اسکی جانب بڑھایا۔

"ایک کانٹے کے لئے دوسرا کانٹا، قبول کریں میڈم۔۔" زینیا نے اسکے ہاتھ سے گملہ لے لیا۔

"میں تحفے نہیں لیتی مسٹر کمبیر، یہ صرف اس لئے رکھ رہی ہوں . . "

"کیونکہ یہ تمہارا ہمشکل ہے۔۔" مہدی نے غیر سنجیدگی سے جملہ مکمل کیا۔ زینیا البتہ سنجیدہ رہی۔

"کیونکہ آپ کا بازو زخمی ہے۔ اگلی بار آئیں گے تو واپس کر دوں گی۔" اس نے جملہ مکمل کیا۔ مہدی سر کو ہلکی سی جنبش دیتا اسکے ساتھ آگے بڑھنے لگا جب زینیا کی آواز پہ رک گیا۔

"آپ میرے ساتھ اندر نہیں جائیں گے۔ میں پہلے ہی دن خود کو موضوع گفتگو نہیں بنانا چاہتی۔ آئندہ بھی آپ میرے ساتھ، یا میرے آس پاس نہیں رہیں گے اوکے۔" وہ سنجیدہ تھی حد سے زیادہ سنجیدہ۔ غیر شہر کا پانی بھی غیر تھا۔ یہ تو پھر ایک مرد تھا۔ مہدی بغیر برامانے اٹے قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کم از کم وہ ناں کو انا نہیں سمجھتا تھا۔ وہ بس اسے نئی نئی نظروں سے دیکھتا رہا۔ سیاہ بڑے سے گیٹ کو پار کرتے ہوئے زینیا اندر گئی پھر رکی۔

"آئندہ آنٹی کے گھر بھی بہت کم چکر لگائیے گا، آج وہ اتفاق سمجھ رہی ہیں۔ کل وہ مجھے مشکوک سمجھیں گی۔ اور میں اپنی شادی شدہ زندگی میں یہ افورڈ نہیں کر سکتی۔"

"بے فکر رہو زینیا حاکم، میں اگر تمہارے ساتھ پیدل چل سکتا ہوں، تو تمہاری خاطر کہیں سے بھی اپنے قدم روک سکتا ہوں۔ اس شہر میں اپنے قیام کے دوران یہ بات یاد رکھنا کہ مہدی کمبیر کی وجہ سے کبھی کوئی تم پہ بات نہیں کرے گا۔" وہ رکا سنجیدہ سبز آنکھوں نے سنہری آنکھوں کو دیکھا۔ وہ چند منٹ کے دوران تین دفع حدود قائم کر چکی تھی۔ یقیناً وہ بس پریکٹس کر رہی تھی۔ عمل کہیں اور کرنا تھا۔

"تعارف قرض رہا۔۔" جتا کر وہ کہتے ہوئے پلٹ گیا۔ زینیا بھی اندر کی اور بڑھ گئی۔ آخر یہ تعارف کب ہونا تھا۔؟

☆☆☆☆☆☆☆☆

"چچا چاہتے ہیں کہ وہ مجھے انکی پسند کے لڑکے سے باندھ دیں۔ انکو قبول کرنا چاہیے کہ اب وہ ایک معذور مرد ہیں اور میں ٹانگوں پہ کھڑی لڑکی۔ انکا مستقبل وہیل چیئر ہے اور میرا مستقبل ریس۔ کیوں وہ مرے پیروں میں زنجیر باندھ رہے ہیں۔؟ کیوں وہ قبول نہیں کر لیتے کہ میں اپنی مرضی سے شادی کروں گی۔ اپنی مرضی کے گھر میں رہوں گی۔ کیوں قیس کیوں؟"

مقصود کمبیر لان کی گھاس پہ سچی کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ انکے سامنے سیاہ کرتا شلوار میں ملبوس انیسہ بیٹھی تھی۔ انکی آنکھوں میں دیکھنے سے کتراتے ہوئی۔ بار بار انگلیوں کو مروڑتی ہوئی۔ مقصود غور سے اسے دیکھ رہے تھے، یک ٹک خاموش۔ کافی دیر کے بعد انہوں نے بولنا شروع کیا۔

"سنا ہے تم نے مہدی کے لئے انکار کر دیا ہے۔؟"



انیسہ نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔ "تصحیح کریں چچا میں نے نہیں اس نے میرے لئے انکار کیا ہے۔ میری بے عزتی کی ہے۔" آنکھوں میں آئے نادیدہ آنسو پونچھے گئے۔

"یعنی اپنی اسٹڈی میں بلوا کر، اسکے گلٹس، ماضی اور اسکے باپ کی غلطیوں کے ہر جانے کے طور پہ اس سے انکار کروانا واقعی انکار ہوا۔۔؟" انیسہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔ یعنی وہ اتنے بے خبر نہیں تھے۔ کئی لمحے وہ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ "میں نہیں جانتی آپ کو کس نے کیا کہا ہے۔ لیکن وہ شخص مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر چکا ہے اور اب اگر اسکا انکار اقرار میں بدلاتب بھی میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔۔" وہ حتمی لہجے میں بولی۔ مقصود اب تک سرد نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"اس نے انکار کیا ہے۔ اب وہی اقرار بھی کرے گا۔ اور تم کیا چاہتی ہو اسکی اس گھر میں کسی ایک کو بھی پرواہ نہیں۔ شادی تمہاری وہیں ہوگی جہاں میں چاہوں گا۔" انیسہ نے بھری بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ اور کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ میرے باپ نہیں ہیں چچا۔ میرے لئے فیصلے لینے والا زندہ ہے۔۔"

"اسکا فیصلہ سن آؤ، پھر تمہیں میرا فیصلہ ہی مناسب لگے گا۔" سازش کی بو ہر طرف پھیل رہی تھی۔ انیسہ کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا۔ اگلے چند پلوں میں وہ راہداری میں بھاگتی ہوئی اپنے باپ کے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ دل کو کوئی زور سے جکڑ رہا تھا۔ بختیار کے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے اس کے ہاتھ ذرا سے کانپ گئے۔ بس کوئی سازش نہ ہو۔

وہ اپنے بیڈ پہ نیم دراز آنکھوں پہ نظر کا چشمہ لگائے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں کوئی کتاب تھی۔ انیسہ کو دیکھ کر کتاب سینے پہ رکھ دی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی ان کے قریب چلی آئی۔ بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھ کر اپنے باپ کا ہاتھ تھام لیا۔

"ابا . . . . پیٹر کل آنا چاہتا ہے۔ اس نے اسلام قبول کر لینے کی حامی بھی بھری ہے۔" وہ رکی سنجیدہ نظروں سے اپنی طرف دیکھتے مقصود کو دیکھا۔ "وہ بہت اچھا ہے ابا۔ بہت زیادہ۔ مہدی اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔"

"اور قیس۔۔؟" دو لفظی استفسار پہ انیسہ کو اپنی دنیا برف ہوتی محسوس ہوئی۔ "مہدی سے تمہارا پیچھا میں نے چھڑوا دیا ہے نا۔ اب تمہارے لئے بیسٹ چنا ہے امید ہے تمہیں میرا فیصلہ پسند آئے گا۔" انیسہ

کئی لمحے کے لئے سانس تک نہیں لے سکی۔ وہ بے یقینی سے اپنے ابا کو دیکھ رہی تھی۔ نگاہیں شاکی تھیں، دل زخمی۔ وہ پلک تک نہ جھپک سکی۔

"ابا آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔۔؟" اسکی آنکھوں سے چند آنسو ٹوٹ کر گرے۔ وہ تہی دامن تھی۔ مہدی تو اب ہرگز اسے آنکھ اٹھا کر دیکھنے والا نہیں تھا اور قیس، وہ دیکھتا تھا تو جان جاتی تھی۔ وہ کہاں پھنس گئی تھی۔؟

"تمہارے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہوا انیسہ۔ میں تمہارا باپ ہوں، تمہیں مہدی کے ساتھ نہیں رہنا تھا۔ میں نے مان لیا۔ اب تم۔۔"

"کیونکہ مجھے پیٹر کے ساتھ رہنا تھا ابا۔۔" وہ بلند آواز میں انہیں ٹوک گئی۔ آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔

"میں تمہارا باپ ہوں تمہیں بیٹ دوں گا۔۔" سرد آنکھوں اور سفاک لہجے میں کہے ہوئے چند الفاظ انیسہ کو یاد دہانی کروا گئے کہ اب چیزیں اسکے ہاتھوں سے ریت کی مانند پھسل چکی تھیں۔

محبت سے دیئے چند دلا سے عورت کی زندگی یو نہی برباد کر دیتے ہیں۔



گواہ کے گورنمنٹ کالج میں آدھی چھٹی کی بیل بج چکی تھی۔ کچھ لڑکیاں کینیٹین میں بیٹھی چاٹ اور سمو سے انصاف کر رہی تھیں۔ اور کچھ اس وقت بھی کتابوں پہ جھکی تھیں۔ کوئج حاکم اپنی کلاس میں تھی۔ سفید وردی کے ساتھ گلابی دوپٹہ پہنے، اسکے پیروں میں سفید اسنیکرز تھے۔ بالوں کی چٹیا بنا رکھی تھی۔ دھلا دھلایا چہرہ بے زار تھا۔ رنگت کملائی ہوئی تھی۔ آج اسکی دوست نہیں آئی تھی۔ اور جس دن کلاس میں آپ کی دوست نہ آئی ہو اس دن کلاس، کلاس کم ماتم گاہ زیادہ لگتی تھی۔ وہ بے زاری سے چہرہ یہاں سے وہاں گھما رہی تھی۔ دفعتاً اسکے ساتھ والے ڈیسک پہ فریجہ آ کر بیٹھی۔ آج اسکی بھی کزن نہیں آئی تھی۔ اسکے ساتھ ایک اور لڑکی بھی ساتھ بیٹھی، سونیا بشیر۔ کوئج پر تکلف سا مسکرائی۔

"ہم تم سے معافی مانگنے آئے ہیں کوئج۔۔" اس نے آتے ہی بات کا آغاز کیا۔ "فرحین تمہاری وجہ سے مجھ سے ناراض ہو گئی ہے۔ وہ کہتی ہے میں جب تک تمہیں نہیں منالیتی وہ بھی مجھ سے بات نہیں کرے گی۔ کیا تم اب بھی مجھے معاف نہیں کرو گی۔۔؟" وہ ایسے انداز میں کہہ رہی تھی کہ کوئج سے کوئی بات ہی نہ بن پڑی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو فوراً معاف کر دیتے ہیں۔ ہر زیادتی، ہر تذلیل۔

"دیکھو کوچ اب بس بات ختم بھی کرو۔۔" سونیا نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔ "فریحہ اور فرحین دل کی بری نہیں ہیں۔ اس دن جب تم نے کیمسٹری کا پریکٹیکل نہیں کیا تھا، تمہاری دوستوں نے بھی جب تمہارا ساتھ چھوڑا تب یہی دونوں تمہارے ساتھ کھڑی تھیں۔ کیا ایک چھوٹی سی بات پہ تم ان دونوں کو معاف نہیں کر سکتیں۔؟" معافی مانگنے اور معاف کروانے میں فرق ہوتا ہے۔ کاش کوئی انہیں بتائے۔

"میں نے معاف کیا۔ کوئی بات نہیں۔" وہ خوش اسلوبی سے بولی تو فریحہ اور سونیا بھی ممنونیت سے اسے دیکھنے لگیں۔ اسی لمحے فریحہ نے اپنا موبائل نکالا اور سیلفی کے لئے پوز بنایا۔ "پوز کرو کوچ، یہ تصویر میں فرحین کو بھیجوں گی۔" وہ جس گھرانے سے تھی وہاں یوں اپنی تصاویر دوستوں کے ساتھ بانٹنے کا رواج نہیں تھا۔ لیکن ابھی تک کوچ حاکم کو یہ نہیں معلوم تھا کہ "ناں" بول دینے سے سانس کی ڈور نہیں ٹوٹ جاتی۔ چار و ناچار اسے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کیمرے میں دیکھنا پڑا۔ چند ایک تصاویر لے کر ان دونوں نے گروپ میں بھیج دیں اور اب کے وہ ایک بار پھر کوچ کی طرف متوجہ تھیں۔

"بور ہو رہی ہوں ناں؟" فریحہ اپنائیت سے پوچھ رہی تھی۔ "میں بھی بہت بور ہو رہی تھی۔ سوچا تمہارے ساتھ ہی بیٹھ جاؤں، باقی کلاس کا تو پتہ ہے تمہیں۔ بلکل بھی ہمارے اسٹینڈرڈ سے میچ نہیں

کرتیں۔" اس نے ہاتھ جھلایا۔ کونج کو برا لگا تھا۔ یوں کلاس کی لڑکیوں کے بارے میں گوسپ کرنا کم از کم وہ ایسی نہیں تھی۔ لیکن وہ اسے چپ بھی نہ کروا سکی۔ بس سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ویسے کونج تم فارغ وقت میں کیا کرتی ہو۔؟" سونیا کے سوال پہ اس نے کندھے اچکائے۔

"میں یوٹیوب وغیرہ دیکھ لیتی ہوں۔ یا پھر شاعری لکھتی اور پڑھتی ہوں۔ تم کیا کرتی ہو۔؟" سونیا اور فریحہ نے ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر آگے کو ہوئیں۔

"ہم دنیا کا سب سے حسین کام کرتے ہیں۔" وہ دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنس پڑیں۔ کونج حاکم نا سمجھی سے انہیں دیکھے گئی۔ "اور وہ کونسا کام ہے۔؟" اسکے چہرے پہ نا سمجھی تھی۔

فریحہ اور سونیا نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر رازداری سے آگے کو ہوئیں۔ "ہم دونوں فیسبک پہ لڑکوں سے باتیں کرتے ہیں۔" کونج ہول کر پیچھے ہوئی جب سونیا نے اسے کندھے سے پکڑ کر قریب کیا۔ "وہ لڑکے ہم سے اچھی باتیں کرتے ہیں، ہمیں گفٹس لا کر دیتے ہیں، ہماری تعریف کرتے ہیں۔

اور سب سے بڑھ کر ان پہ ہمارا حکم چلتا ہے۔ وہ ہماری سنتے ہیں، ہماری آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ تم جوائن کرنا چاہتی ہو۔؟"

"ہرگز نہیں۔" وہ اٹل انداز میں بولی۔ "غیر مرد کبھی بھی اچھا نہیں بن سکتا۔ اسکی باتیں اچھی ہوں نہ ہوں فریب ضرور ہوں گی۔ پلیز مجھ سے ایسی بات مت کیا کرو۔ یا اللہ تم لوگ ایسا کیسے کر سکتی ہو۔" کوئج کو ان سے خوف آیا۔

"اوہ کوئج تم آج بھی اسی دور میں رہتی ہو۔؟ گرو اپ ہنی۔ آج کل کونسا گناہ ہے جو نہیں ہو رہا۔؟ تم جس وین والے کے ساتھ آتی ہو، بات کرتی ہو وہ بھی تو گناہ ہے۔ تم اکیڈمی میں لڑکوں کے ساتھ پڑھتی ہو، وہ تمہیں دیکھتے ہیں یہ بھی گناہ ہے۔ اور ویسے بھی اسلام اتنا سخت نہیں ہے جتنا ہم بنا لیتے ہیں۔ دل کی خوشی، روح کی آزادی یہ سب بھی تو ضروری ہے۔"

"دل کی خوشی روح کی آزادی یہ سب اس دنیا کا ہے ہی نہیں۔ اور اگر ہے بھی تو محدود عرصے کے لئے۔ لیکن اگر دل کو مار کر، روح کو قید کر کے اللہ کے بتائے راستے پہ چلو تو ابدی خوشی ہے۔ مجھے تو وہی چاہیے۔" وہ سادہ سے لہجے میں بولی۔

"واٹ ایور۔۔" فریحہ نے بے زاری سے ہاتھ جھلایا۔ اسی پل گھنٹی بجی آدمی چھٹی ختم ہو چکی تھی۔ لڑکیاں گراؤنڈ سے کلاس میں واپس آنے لگی تھیں۔ کچھ ہی پل میں کلاس بھرنے لگی۔ قریب دو گھنٹے بعد



چھٹی کے وقت کونج دروازے سے باہر جا رہی تھی جب فریجہ ہانپتی ہوئی اسکے پاس آ کر رکی۔ اسکے چہرے پہ دبا دبا جوش تھا۔ کونج نے نا سمجھی سے اسے دیکھا، جبکہ وہ آنکھوں میں چمک لئے اسے دیکھ رہی تھی۔ ساتھ موبائل کی روشنی بڑھا کر چند پیغامات اسکی آنکھوں کے آگے کئے۔ کوئی انسٹاگرام گروپ تھا۔ جہاں کونج کی تصاویر پہ فصیح نامی لڑکے نے کچھ لکھا تھا۔

"کیا کبھی کسی نے تمہیں بتایا ہے تمہاری آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں۔؟" یکدم کونج کا دل اتنی زور سے دھڑکا تھا کہ آواز کانوں تک سنائی دینے لگی۔ اگلا پیغام بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

"تم جب مسکراتی ہو تو تمہاری آنکھیں بھی مسکراتی ہیں۔ لڑکی تم تو ایک معجزہ ہو۔۔" اب کے کونج کی زبان تالو سے چپک کر رہ گئی۔ اسے برا لگا تھا کہ اسکی تصاویر یوں گروپ میں بھیجی گئیں۔ لیکن اچھا لگا تھا یوں کسی نے تو صیفی کلمات کہے۔ اسے برا کم اور اچھا زیادہ لگا تھا، عجیب احساس تھا، عجیب سرور تھا۔ اپنی تعریف بھلا کسے پسند نہیں ہوتی۔؟

"دیکھا کونج تم کتنی خوبصورت ہو تمہیں اس بات کا اندازہ بھی نہیں تھا۔ اگر تم کہو تو میں اسے تمہارا نمبر دے دوں۔۔؟" فریجہ نے اسکی سب سے بڑی ہمدرد بننے کی کوشش کی۔



"اگر اسکی زندگی پیاری نہیں ہے تو اسکا نمبر مجھے دے دو۔۔" عشرت منصور کی آواز پہ فریحہ نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ انکے بالکل پاس کھڑی تھی۔ تیکھی نگاہوں سے کونج اور کبھی فریحہ کو دیکھتی ہوئی۔ "میں اس لڑکے کا نمبر کونج کے منگیترا کو دے دوں گی۔ اور پھر تم سب اسکے سوئم کی تیاری کرنا۔۔" وہ دھیمی آواز میں غرا رہی تھی۔ "آئندہ تم لوگ مجھے کونج کے قریب نہ نظر آنا۔" وہ انگلی اٹھا کر وارن کر رہی تھی۔ ساتھ ہی بت بنی کونج کا ہاتھ پکڑا اور اسے بس کی جانب کھینچتی ہوئی لے کر جانے لگی۔

"ہر بار تمہیں فیور دینے کے لئے میں نہیں آؤں گی، اپنے لئے کھڑے ہونا سیکھو، اور خبر دار جو تم نے اس لڑکے سے راہ رسم بڑھانے کی کوشش کی۔۔" نہ وہ دوست تھی نہ ساتھی لیکن وقت پڑنے پہ دونوں بن جایا کرتی تھی۔ کونج گم سم سی اسکے ساتھ کھینچتی چلی گئی۔ وہ حال میں نہیں لگتی تھی، اسے ماضی کا غم بھول رہا تھا۔ ذہن میں اب بھی ایک ہی سطر گونج رہی تھی۔

"کیا تمہیں کبھی کسی نے بتایا ہے، تمہاری آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں۔۔؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆

رات اسلام آباد کے سر پہ سوار ہوئی تو دفاتر بند ہونے لگے، فوڈ پائنٹس اور کیفیز کا رش بڑھنے لگا۔ سارے دن کی تھکن ایک کافی ہی اتار سکتی تھی۔ آفس کے بد مزہ کھانے کی کڑواہٹ سٹریٹ فوڈز ہی ختم کر سکتے تھے۔ سرسبز درختوں، اور بھری بھری گھاس والے ایک پارک کا رخ کرو تو چڑھتی ہوئی رات میں، بہتی ہوا کے درمیان ایک شخص متوازن چال چلتا دکھائی دے گا۔ اسکے ہاتھ میں سفید پھولوں کا بکے تھا۔ اور ایک ہاتھ میں گفٹ پیکیٹ۔ تھوڑی دور پارک میں چلنے کے بعد وہ ایک سنگی بیچ پہ آ بیٹھے۔ بال قلموں سے سفید، کندھے ڈھیلے چھوڑے بختیار کمبیر کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اگلے چند لمحوں میں وہ شخص آتا دکھائی دیا جس کا انتظار تھا۔ بختیار نم آنکھوں سے اسے اپنے قریب آتے دیکھتے رہے۔ اس حادثے میں اپنا سارا خاندان کھو دینے کے بعد انکے پاس یہی تو چار بچے تھے۔ جنہیں وہ اپنی اولاد سے زیادہ چاہتے تھے۔، قیس، مہدی، انیسہ، میرہ۔ انہیں انیسہ سے بھی زیادہ محبت قیس سے تھی۔ وہ پر اعتماد چال چلتا ہوا انکے قریب آ کر رکا۔ سرمئی ٹریک سوٹ، ہاتھ میں پانی کی بوتل، جاگنگ شوز، آرام دہ حلیہ۔ وہ جاذب نظر لگ رہا تھا۔ آنکھیں سپاٹ تھیں، گویا جذبات کا گزر ہی نہ ہوا ہو۔

سفید پھولوں کا بکے ایک طرف کرتے ہوئے اس نے اپنے لئے جگہ بنائی، ساتھ ساتھ اپنی پانی کی بوتل کے لئے بھی۔ چند لمحے وہ دونوں خاموش رہے۔ قیس چہل قدمی کرتے لوگوں کو دیکھتا رہا اور بختیار اسے۔

"تم سے کتنی محبت کرتا ہوں جانتے ہوں ناں۔؟" وہ دھیمی آواز میں اسے پکار بیٹھے۔

"ہمیں بات کرنی تھی تو گھر پہ بھی ہو سکتی تھی۔ یوں دس لوگوں کے درمیان بلانے کی ضرورت نہیں

تھی۔ اور میں بچہ نہیں رہا۔ آپ کو مجھے ہیری پوٹر کی کتاب گفٹ کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی

۔" اس نے گفٹ کھولا تک نہیں، پھر اسے کیسے معلوم ہوا۔؟

"گھر میں ایسے کئی لوگ ہیں جنکی باتوں پہ تمہیں مجھ سے زیادہ اعتبار ہے۔ ہم دونوں کے درمیان اتنے

فاصلے کب آگئے قیس۔؟" وہ آزرده لگتے تھے۔

"میں نے اعتبار کیا ہوتا تو یوں آپ کے ساتھ نہ بیٹھا ہوتا۔ مجھے اپنے حصے کی کہانی سنائیں چچا۔ آپ کو

کس نے حق دیا کہ آپ میرے خاندان کی جڑیں کھوکھلی کریں۔" وہ اب بھی انہیں نہیں دیکھ رہا تھا۔

قصدا، شاید۔

بختیار نے گہری سانس لی۔ اور سب کہہ دینے کا فیصلہ کیا۔ پارک کی سفید لائٹس مدھم ہوتی گئیں۔ یہاں

تک کہ وہ اسٹڈی کی زرد بتیوں میں تبدیل ہو گئیں۔ سنگی بینچ نرم صوفے میں تبدیل ہو گئی۔ گھنگھریالے

بالوں والے مرد کی جگہ اب سبز آنکھوں والا مرد بیٹھا تھا۔ آس پاس کھڑے درخت جھڑ کر گرے

مضبوط دیواروں نے اپنی جگہ بنائی، اور اسی دوران بختیار اپنے سامنے بیٹھے مہدی کو گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ مہدی بھی سنجیدہ تھا۔ کئی لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ کہنے لگے۔

"جب انیسہ پیدا ہوئی تھی۔ تب تمہارے ابا نے اسے تمہارے لئے مانگ لیا تھا۔" وہ متانت سے کہہ رہے تھے۔ "گو کہ تمہاری غیر ملکی ماں اس رشتے پہ راضی نہیں تھیں۔ اس کے نزدیک یہ جہالت تھی، ہمارے نزدیک رسم، اس نے سخت مخالفت کی، لیکن پھر بھی یہ رشتہ قائم رہا۔ جانتے ہو کیوں؟"

مہدی نے نفی میں سر ہلایا۔ "کیونکہ میں چاہتا تھا۔" بختیار نے اضافہ کیا۔ "اب مجھے بتاؤ مہدی تم کیا چاہتے ہو۔؟"

"میں کیا چاہتا ہوں اسکا کیا مطلب ہے۔؟ ظاہر ہے وہ میری منگیتر ہے۔ میری عورت ہے۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ رکا ایک پل کو بختیار کی آنکھوں میں دیکھا۔ اب کے اسے بہت کچھ سمجھ آنے لگا تھا۔ ہاں وہ اس خاندان کے باقی افراد جتنا زہین، اعلیٰ عقل کا مالک نہیں تھا۔ لیکن ایک مرد دوسرے کی نظر پہچان لیتا ہے۔

"مجھے لگتا ہے یہاں سوال میرے چاہنے کا نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔؟" بختیار آگے کو ہوئے ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہر باپ کو اپنی بیٹی کے لئے بیسٹ چاہیے ہوتا ہے مہدی۔ تم میرے بھتیجے ہو، شریف، لائق، قابل لیکن تم بیسٹ نہیں ہو۔"

"کیونکہ بیسٹ تو قیس ہے ناں۔۔" مہدی نے کہتے ہوئے استہزائیہ سر جھٹکا۔

"میں تو مر کر بھی اس پہ گو اپ نہیں کرنے والا، اب بیسٹ ہوں یا پھر نالائق یہی ہوں۔ اور انیسہ

میری منگیتر ہے۔ آپ کو پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ اب اسکے بارے میں صرف میں سوچوں گا۔۔"

"لیکن میں نے اسکے بارے میں کچھ بہت مختلف سوچ رکھا ہے۔ یقیناً وہ تم نہیں ہو۔ خاموشی سے پیچھے

ہٹ جاؤ مہدی۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ ورنہ تم بھی اپنے باپ کی طرح family wrecker

کہلاؤ گے۔۔" اپنے باپ کے ذکر پہ مہدی کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔ گردن کی نسیں ابھر آئیں۔ دل

میں ایسا کرب اٹھا تھا کہ الامان۔ لیکن وہ کچھ کہہ نہیں سکا۔ اسے عادت تھی تمام الزام اپنے سر لے لینے

کی، چپ چاپ خاموشی سے سارے گلٹ اپنے دل میں رکھ لینے کی۔ بختیار اب بھی کہہ رہے تھے۔

"سرور نے اگر اپنی منگیترا کو چھوڑ تمہاری فرنگی ماں کو نہ بیاہیا ہوتا تو آج حالات مختلف ہوتے۔ اسکی وجہ سے ہماری بہن ہماری امینہ کو کئی سال تک ہمارے گھر میں رہنا پڑا۔ شوہر کے ہوتے ہوئے وہ ہمارے گھر میں پڑی رہی۔ کیونکہ اسکا شوہر اپنی بہن کا بدلہ لے رہا تھا۔ کیا تم نے میری بہن کی تکلیف دیکھی۔۔۔؟" انکا لہجہ الزام دے رہا تھا۔ "کیا تم نے وہ دن دیکھے جب میری بہن سے اسکا دو ماہ کا بیٹا چھین لیا گیا تھا۔ اور وہ ساری ساری رات روتی رہتی تھی۔؟" اب کے انکا لہجہ بھاری ہوا تھا۔ لیکن وہ خاموش ہرگز نہ ہوئے۔ "تمہارے باپ نے ہمارا گھر توڑا، ہماری بہن کو ذلیل کروایا صرف اور صرف ایک عورت کی خاطر، تمہاری سبز آنکھوں والی ماں کی خاطر۔ کیا اب تم بھی وہی کرنا چاہتے ہو۔۔۔؟" مہدی نے گیلی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ گردن اب بھی پوری طرح اٹھا نہیں سکا تھا۔

"ابا نے اپنی منگیترا کو چھوڑا نہیں تھا۔ ابا دوسری شادی کر رہے تھے لیکن وہ لوگ مانے ہی نہیں۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ میری ماں کو طلاق دی جائے۔ کیونکہ پہلی بیوی صرف اور صرف خاندان سے ہوتی ہے۔ ابا غلط نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی بیوی کو نہیں چھوڑا اچھا کیا۔ ابا نے گھر نہیں توڑا ابا نے بس محبت کی شادی کی تھی جو کہ انکا حق تھا۔ میرے ابا نے کبھی گھر نہیں توڑے۔۔۔" وہ کہنا یہی چاہتا تھا لیکن الفاظ حلق سے باہر نہ نکل سکے۔ وہ خالی خالی نظروں سے اپنے چچا کو دیکھے گیا۔

"میں انیسہ کو خوش رکھوں گا۔ مجھے ایک موقع دیں۔" وہ بس یہی الفاظ گھسیٹ سکا۔

"اور اگر میں تمہارے ساتھ خوش نہ رہنا چاہوں تو۔۔؟" اپنے عقب سے آتی اس آواز پہ مہدی تھم گیا۔ اسے بے اختیار ہوا میں آکسیجن کی کمی محسوس ہوئی۔ انیسہ بختیار کمبیر اسکی بچپن کی منگیترا سے ڈس اون کر رہی تھی۔ مہدی کا دل ایک چھناکے سے ٹوٹا تھا۔

"میں تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ مجھے تمہارے ساتھ زندگی نہیں گزارنی۔ آزادی چاہیے مجھے، تم سے اور ہمارے اس سڑے ہوئے تعلق سے۔" مہدی نے آہستگی سے گردن اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ چلتے ہوئے اسکے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔ ہر بار جب وہ اسے دیکھتا تھا تو اپنائیت کا احساس ہوتا تھا۔ یہ لڑکی اتنی غیر کب ہو گئی۔؟

"میں اپنی مرضی سے شادی کرنا چاہتی ہوں پلیز مہدی میری جان چھوڑ دو۔ ہمارے خاندان کو جتنا ڈیج تمہارے ابا نے دیا ہے۔ اب تم اسکی بھرپائی کرو گے۔ والدین کے گناہوں کی سزا اولاد کو بھگتنی ہوتی ہے۔ تیار رہو مہدی سرور کمبیر۔۔" اس سارے وقت میں بختیار خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے تھے۔ مہدی انیسہ سے نظر نہیں ہٹا سکا۔ وہ جانتا تھا اگر اس نے انیسہ پہ زبردستی کی تو اسکی زندگی جہنم بن جائے گی۔ وہ



اگر ناں کہہ رہی تھی۔ تو مہدی ناں سمجھتا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک نظر انیسہ کو دیکھا اور پھر بختیار کو۔

"تم صحیح کہتی ہو انیسہ، والدین کے گناہوں کی سزا اولاد کو بھگتنی ہوتی ہے۔ تمہارا وقت بھی جلد آئے گا انشا اللہ۔ میری طرف سے آج سے تم آزاد ہو۔ لیکن یاد رکھنا تم آزاد نہیں ہو۔۔۔" وارننگ، تنبیہ کیا نہیں تھا اسکے لہجے میں۔

وہ چلا گیا تو انیسہ نے بختیار کو دیکھا۔ وہ بھی سنجیدہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ "میں آزاد ہوں ناں ابا۔؟ اب کوئی مہدی کمبیر نہیں ہوگا ہے ناں۔۔۔؟" وہ تسلی چاہتی تھی۔

بختیار مسکرائے۔ "اب کوئی مہدی کمبیر نہیں ہوگا۔۔۔" انہوں نے دلاسا دیا۔ "کیونکہ اب قیس کمبیر ہوگا۔۔۔" آخری الفاظ انہوں نے بس دل میں کہے تھے۔ انیسہ کے دل کو تسلی سی ہونے لگی۔ اب اسکے اور پیٹر کے بیچ میں کوئی نہیں آئے گا زبردست۔



ماضی کی کتاب بند کر کے حال میں آؤ تو قیس چہرے پہ سنجیدگی طاری کئے بختیار کی ساری روداد سن رہا تھا۔ بلکہ سن چکا تھا۔ اب تو بس وہ گردن جھکائے ہوئے تھے۔ قیس نے دھیرے سے انکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"آپ غلط نہیں ہیں چچا۔۔"، الفاظ تھے کہ امرت۔؟ بختیار نے شاکی انداز میں گردن اٹھائی۔ "ہر باپ اپنی بیٹی کے لئے بیسٹ سوچتا ہے۔ لیکن آپ جانتے ہیں میں منگنی شدہ ہوں۔ اور میں اس لڑکی کو سوائے وفاداری کے اور کچھ نہیں دے سکتا۔ کیا آپ ایک واحد چیز بھی مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں۔۔؟"

"مرد دو شادیاں کرتے ہیں قیس۔ مردوں کے لئے گنجائش نکل ہی آتی ہے۔" انکا انداز ملتی ہوا۔

"میں کوئی گنجائش نہیں نکالنا چاہتا۔ اس عورت نے میرے نام کے ساتھ وفاداری نبھائی ہے۔ میرا بھی کچھ فرض ہے۔ آپ لوگ میرا خاندان ہیں، لیکن کوئی بھی کبھی بھی اسے تکلیف دینے کا سوچے گا بھی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" اس کی آنکھوں میں سفاکیت تھی۔ بختیار کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔

امیدیں بہہ گئیں۔

"کیا ہم پہلے جیسے ہو سکتے ہیں۔؟ میں نے تمہارا برا نہیں چاہا تھا قیس۔"

"قیس انسانوں پہ اعتبار نہیں کرتا تھا۔ آپ پہ کیا تھا۔ اب دوبارہ اسی اعتبار کے کرنے کو وقت لگے گا۔"

"قیس . . میں . ."

"گھر جائیں چچا بہت دیر ہو چکی ہے۔" وہ انکی بات کاٹ کر بولا۔ بختیار بے بسی سے لب کاٹتے رہ گئے۔

جانتے تھے اب کچھ بھی کہنا، بولنا اور سننا بے کار تھا۔ وہ بغیر انکی طرف دیکھے بس ٹریک پہ بھاگتے لوگوں کو دیکھتا رہا۔ جیسے اس سے زیادہ ضروری کوئی کام نہ ہو۔

☆☆☆☆☆☆

زینیا حاکم جس وقت ہاسٹل واپس آئی شام بیت چکی تھی۔ رات اپنے پر پھیلانے کو تھی۔ اپنے کمرے میں آکر وہ بیڈ پہ ڈھے سی گئی۔ بشر کی کال لگی تھی، لیکن اس وقت وہ بات کرنے کے موڈ میں بالکل نہیں تھی۔ رات کے آٹھ بجے کھانا کھایا جاتا تھا۔ اور اس وقت کھانا کھایا جا چکا تھا۔ اسکی روم میٹ اس وقت بھی کمرے میں نہیں تھی۔ رات کے دس بجے تک ہر لڑکی کو ہاسٹل واپس آجانا ہوتا تھا۔ لیکن نین تارہ نامی اسکی روم میٹ شاید آزاد اور لا پرواہ واقع ہوئی تھی۔ زینیا یہاں آ تو گئی تھی لیکن یہاں دل گھبرا رہا تھا۔ وہ کھلی چھت، بڑے ہوا دار کمروں، اور سمندری علاقے سے آئی تھی۔ وہ جہاں دل گھبراتا تھا تو پہاڑ

دلاسا دیتے تھے۔ جہاں آنکھ نم ہوتی تھی تو سمندری ہوا ان قطروں کو جذب کر لیتی تھی۔ اسلام آباد کی خاموشی، اور یہ تنگ گھر یہ اسے غیر آرام دہ کر رہے تھے۔ وہ اعتراف نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن زینیا حاکم home sickness کا شکار ہو رہی تھی۔

کافی دیر یونہی پڑے رہنے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ آئینے میں کھڑے ہو کر اپنا چہرہ دیکھا وہ مرجھایا ہوا تھا، آنکھیں تھکی تھکی تھیں۔ وہ ایک برے فیز میں تھی۔ اور انسان کو اسکے برے فیز سے صرف ایک ہی چیز نکال سکتی ہے۔ اسکا محبوب شوق۔ اپنی سائیڈ کی الماری کے پٹ کھولتے ہوئے اسکی آنکھیں چمک اٹھیں۔ کیمرہ ہاتھ میں لیتے ہوئے اسکے لب ہولے سے مسکرائے تھے۔ یہ کیمرہ اسے ابا نے دلایا تھا۔ اسکی متاع حیات۔ اس نے کیمرے کا اسٹریپ کندھے پہ ٹانگا، بیڈ پہ رکھا اپنا دوپٹہ اٹھایا۔ ابھی آٹھ بجے تھے اسکے پاس دو گھنٹے باقی تھے۔ وہ نیچے لاؤنج میں آئی تو آنٹی اسے نہیں دکھیں، لڑکیاں سب اپنے کمروں میں تھیں۔ اطراف میں ایک چوکنا سی نظر دوڑاتے ہوئے وہ گھر کے عقبی حصے کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔ جب ہلکا سا کھٹکا ہوا۔

"کوئی دیکھے نہ دیکھے شیزل تو دیکھے گی۔۔" اپنے عقب سے آتی اس محظوظ سی پکار پہ زینیا نے دانت کچکچائے تھے۔ سیڑھیوں کے دہانے پہ وہ کھڑی تھی۔ آواز بلند تھی۔

"نمرہ احمد کے ناول جنت کے پتے سے لے کر رابعہ خان کے عزازیل تک، شیزل نے ہر سسپینس اور کرائم تھرلر رٹ رکھا ہے۔ تم مجھے ڈاج نہیں دے سکتیں۔" وہ سیڑھیوں سے اترتی ہوئی آرہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی فلم کا کلائیمکس چل رہا ہو۔ جس میں ہیروئن، ایک ولن کے ہاتھوں پکڑی گئی تھی۔

"جن کرائم تھرلر کو تم نے رٹ رکھا ہے۔ میں نے انکو پورا پڑھنے سے پہلے guess کر رکھا ہے۔ ڈاج دینا میرے لئے مشکل نہیں۔ میرا وقت ابھی باقی ہے۔" زینیا نے مڑے بغیر جواب دیا تھا۔ شیزل آخری زینہ اتر کر نیچے آئی تو اب وہ ذرا روشنی میں تھی۔ بالوں کو فرنیچ چوٹی میں گوندھے، سیاہ کرتے کے ساتھ سیاہ ہی جینز پہنے وہ آج بھی اپنے سنگنیچر سٹائل میں تھی۔ ہاں بس ہاتھ میں موجود کالڈ کافی کا اضافہ تھا۔ جس کے کپ میں اسٹرا ڈلا تھا۔ اور وہ وقفے وقفے سے گھونٹ بھر رہی تھی۔

"رات کے اس پہر کہاں چلی۔؟" شیزل پر سرار ہوئی۔

"قتل کرنے۔۔" زینیا پرسکون رہی۔

"میں مدد کروں۔؟ یا کور اپ کروں۔؟" وہ اس سے زیادہ سفاک تھی۔

"بس اپنا منہ بند رکھو۔۔" زینیا بے زار ہوئی۔

"دوست بن کر یا کرائم پارٹنر بن کر۔۔؟"

"نہ دوست نہ پارٹنر، تم مجھے فیور دو وقت آنے پہ میں تمہیں فیور دوں گی۔۔" ڈیل پیش کی گئی۔ اب کے وہ مڑ کر اسکی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی، ملکہ بد موڈ آن ہو چکا تھا۔

"شینزل انسانوں سے مدد نہیں لیتی میرے لئے ٹیکنالوجی کافی ہے۔" زینیا نے پلکیں جھپکا کر اسکی آنکھوں میں دیکھا۔ کل رات سے اب تک کے واقعات ایک فلم کی طرح اسکی آنکھوں کے آگے گھوم گئے۔ فوٹو گرافک میموری یو۔نو۔ کل سے اب تک اس نے شینزل کے ہاتھ میں کئی بار اسٹرابیری ملک کاپیکٹ دیکھا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ وہ بس ایک ہی رشوت پہ بک سکتی ہے۔

"ایک اسٹرابیری ملک کاکین اور . . . ."

"منظور ہے۔" شینزل نے اسکی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔ زینیا کی آنکھیں چمکیں۔

"ابھی تو تم نے ڈیل پوری سنی ہی نہیں۔۔"

"اسٹرابیری ملک کے ایک قطرے کے لئے میں جان بھی دے سکتی ہوں۔۔" اور واللہ اسکی آنکھیں کہتی تھیں، ہاں وہ ایسا کر سکتی ہے۔

زینیا نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔ "یعنی میں جا سکتی ہوں۔۔؟"

"جلدی آنا . . نہیں ایسا نہیں ہے کہ تمہاری فکر ہو رہی ہے۔ بس فری کا اسٹرابیری ملک یو نو۔۔" وہ

باچھیں پھیلا کر کہتی ہوئی زینیا کو سخت زہر لگی۔ وہ مڑ گئی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی ہوئی جانے لگی جب

شیزل نے ایک بار پھر اسے پکارا۔ "جاؤ گی کیسے۔؟ چوکیدار تمہیں جانے نہیں دے گا۔۔۔"

"زینیا کے پاس ہمیشہ چور دروازے ہوتے ہیں۔۔" وہ ہاتھ جھلا کر کہتی باہر نکل گئی۔ شیزل سیمسن

آزردگی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ تمہیں کیا لگتا ہے وہ اصول توڑنے کا گلٹ تھا۔؟ ہنہہ اس

فراڈ سے پیسے لے کر اسٹرابیری ملک خود منگوا سکتی تھی۔ یہ رنج تھا۔ اب خوا مخواہ اسکا انتظار کرنا ہو گا۔

وہ عقبی دروازے پہ لگے تالے کو پن سے کھولتی ہوئی باہر آگئی تھی۔ باہر نکلتے ہی ٹھنڈی ہوا کے ایک

تھپڑے نے اسکا استقبال کیا۔ یعنی اسلام آباد اپنے مہمانوں کے ساتھ اچھا تھا۔؟ گلی خالی تھی سنسان سی

، ہوا کے دوش پہ جھولتے درختوں پہ گھروں سے باہر جھانکتی روشنی پڑ رہی تھی۔ پکی صاف ستھری سڑک

، گلی کے پولز پہ لگی سفید بتیاں ، سرسبز درخت اور پر سکون ماحول اور اگر اسلام آبادیوں کو اپنے شہر پہ

فخر ہے تو پھر یہ بتا بھی ہے۔

زینیا نے کندھے سے لٹکا کیمرہ اتار لیا۔ سامنے موجود درخت پہ ایک چڑیا اپنے بچے کو چونچ سے دانہ کھلا رہی تھی۔ زینیا نے کیمرہ آنکھ کے آگے کیا۔ ایک پل کو تو اس نے سانس بھی روک لی، اور اگلے ہی لمحے ایک شاندار کلک اسکے خزانے میں محفوظ ہو چکی تھی۔ وہ آگے بڑھ آئی۔ سڑک درختوں سے جھڑے بتوں سے بھری پڑی تھی۔ زینیا نے ٹھہر کا چند تصاویر اتاریں اور پھر آگے بڑھ گئی۔ ذرا سے فاصلے پہ ایک پارک نظر آ رہا تھا۔ جہاں بتیاں روشن تھیں۔ اکا دکا لوگ اب بھی نظر آرہے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ پارک کے ایک سنگی بیچ پہ بیٹھی تھی۔ پارک تقریباً خالی ہونے لگا تھا۔ جس جگہ وہ بیٹھی تھی وہ ایک خاموش اور سنسان سا گوشہ تھا۔ یہاں سے ذرا سے فاصلے پہ جاگنگ ٹریک تھا۔ اسی لمحے زینیا کی سنہری آنکھوں نے ایک شخص کو جاگنگ ٹریک پہ بھاگتے ہوئے دیکھا۔ وہ کوئی تیس بتیس کی عمر کا مرد تھا۔ نیم اندھیرے میں اسکا چہرہ واضح نظر نہیں آتا تھا، لیکن بھاگتے بھاگتے کئی بار پولز کی بتیوں سے پھوٹی روشنی اسکے چہرے پہ پڑتی تب اسکا چہرہ واضح ہونے لگتا تھا۔ گندمی رنگت، پرکشش نقوش، گھنگھریالے بال۔

زینیا بے دھیانی میں اسے دیکھے گئی۔ اسکا چہرہ، بال پسینے سے تر تھے۔ تھکن سے اسکا بدن چور نظر آتا تھا لیکن وہ بھاگ رہا تھا۔ چند پلوں بعد ہی وہ زینیا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ زینیا نے گردن موڑ کر دوسری جانب دیکھا۔ مرد اب دوسری جانب والی پٹی پہ دوڑ رہا تھا۔ چند پل بعد وہ دوبارہ زینیا کو اپنے



سامنے دکھائی دیا۔ اب کے وہ رک گیا تھا۔ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر یونہی جھکے جھکے اس نے چند گہرے سانس لئے، اور پھر پنچوں کے بل نیچے بیٹھ گیا۔ زینیا نے اپنا کیمرا سیدھا کر لیا، لینز آنکھوں کے قریب کرتے ہوئے اس نے اس تھکے ہوئے آدمی کی تصویر لے لی۔ وہ چند پل یونہی بیٹھے بیٹھے سانس بحال کرتا رہا، وہ اب ٹریک سے اتر کر بیچ کی جانب آ رہا تھا۔ ٹریک کے قریب ہی موجود سنگی بیچ سے اپنی پانی کو بوتل اٹھا کر بلند کی اور پھر سارا پانی یونہی بلندی سے اس کے چہرے پہ گرنے لگا۔ زینیا حاکم نے ایک پل کے لئے بھی کیمرا آنکھ سے نہیں ہٹایا تھا۔ اس شخص کے ساتھ ساتھ اس نے پانی کے قطرے تک کیمرا کی آنکھ میں محفوظ کر لیے۔ اس کا چہرہ اور بال گیلے ہو چکے تھے۔

وہ شخص اب بیچ پہ بیٹھا تھا۔ گھنگھریالے بال گیلے ہو کر ماتھے پہ چپک گئے تھے۔ جنہیں اب وہ انگلیوں کی مدد سے ہٹا رہا تھا۔ ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر سفید پھولوں کا وہ بکے اٹھا لیا۔ چند پل پھولوں کو یونہی دیکھتے رہنے کے بعد اس نے گردن بیچ کی پشت پہ گرا دی۔ پھول سینے پہ رکھ لئے، اور بیچ پہ دھرے گفٹ پیکٹ کو کھول لیا، اندر ہیری پوٹر سیریز کی ساتویں کتاب تھی۔ قیس نے کتاب آنکھوں کے سامنے اٹھالی۔ چند سطریں شروع سے پڑھیں مسکرایا، پھر چند سطور آخر سے پڑھیں، اب کے تاثرات سخت ہوئے، پھر رکا اور بیچ کے چند صفحات کھول لئے۔ اب کے وہ کھل کر ہنسا تھا۔ ایک ہیری پوٹر فین اپنی فینٹسی میں

ڈوبی دنیا میں گم تھا۔ جہاں روحیں اڑتی تھیں، تصویریں بولتی تھیں، سیڑھیاں اپنی جگہ تبدیل کر لیتی تھیں، دیواروں میں راستے بن جاتے تھے، آئینے آپ کو لالچ دیتے تھے، اور لوگ جادو پہ اندھا یقین رکھتے تھے۔ خیالی دنیا یو نو (no offense)۔ چند لمحے وہ یونہی مطالعے میں غرق رہا۔ کبھی مسکراتا، کبھی برا منہ بنا لیتا، کئی بار چہرے کے تاثرات سخت ہوئے تھے۔

زینیا نے اسکے ہر تاثر کو قید کیا تھا۔ مسکراہٹ، غصہ، سختی، کفرٹ، فین مومنٹ اور سب کچھ۔ سینے پہ سفید پھولوں کا بکے رکھے، بال ماتھے پہ بکھیرے، ہاتھ میں کتاب لئے وہ پکچر پرفیکٹ لگ رہا تھا۔ کئی لمحے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ جھک کر جوتے کے تسمے باندھے، بیچ پہ پڑا اپنا موبائل، بوتل، چابیاں سب اٹھایا لیا۔ زینیا انتظار کرتی رہی کہ وہ کتاب کب اٹھائے گا۔ اور زینیا حاکم کی حیرت، غصے اور صدمے کی انتہا تب نہ رہی جب اس گستاخ نے کتاب نہ اٹھائی اور آگے بڑھ گیا۔ یقیناً پوٹر سیریز کے ایک ایک فین نے سینہ کو بی کی ہوگی، کئی تو باقاعدہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچے ہوں گے۔ کئی کا تو بس نہ چلا ہوگا کہ کہ اس گستاخ کو جگہ بدلنے والی سیڑھیوں سے دھکا دے دیتے، لالچ دینے والے آئینے کے اندر قید کر دیتے، یا پھر اڑتی روحوں میں ایک اور روح کا اضافہ کر دیتے۔ (جادوئی دنیا میں رہنے والے فینٹسی میں ڈوبے لوگ ہنہ) وہ چند پل اپنی جگہ پہ کھڑی اس صدمے کو پراسیس کرتی رہی، وہ اب نظروں سے

اوجھل ہو گیا۔ اور پھر وہ آگے بڑھ آئی۔ پوٹر ہیڈ اب مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ بیچ کے قریب رک کر جھکتے ہوئے اس نے کتاب اٹھالی۔ کئی سال پہلے پڑھی گئی کتاب اسے ایک بار پھر پڑھنی تھی۔۔۔ ذرا دیکھے تو آخر یہ آدمی کیا دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

شروع کے چند صفحات کھولتے ہوئے اسکے چہرے پہ مسکراہٹ آئی۔ یہ عام مسکراہٹ نہیں تھی۔ اصل دنیا سے بلکل الگ تھلگ ایک جادوئی، غیر حقیقی مگر خوبصورت دنیا میں جانے والی مسکراہٹ تھی۔ ایک لمحے کو اسکے گرد اسلام آباد کے اونچے درخت غائب ہوئے، انکی جگہ قدیم عمارتوں نے لے لی، سفید بتیوں کی جگہ اب روشن مشعل تھیں۔ پیروں میں نرم گھاس کی جگہ ہوائی جھاڑو تھی۔ حقیقی لوگوں کے پریشان، خوش چہروں کی جگہ بولتی تصاویر، اور اڑتی روحیں تھیں۔ ایک پوٹر ہیڈ حقیقت فراموش کئے غیر حقیقی مگر زیادہ خوش دنیا میں داخل ہو چکا تھا۔ اس نے آخری کے صفحات پلٹے۔ آنکھوں میں بے چینی اتر آئی۔ یکدم بہت کچھ برا لگنے لگا۔ وہ کافی منہمک سی اس مطالعے میں غرق تھی جب کتاب کا مالک اسکے عقب میں آکر رکا۔ اپنی کتاب کسی غیر کے ہاتھوں میں دیکھ کر اسے برا نہیں لگا تھا۔ کتابیں پڑھنے والے لوگوں کے دل بڑے ہوتے ہیں۔ وہ یوں اپنی کتابیں کسی کے ہاتھ میں دیکھ برا نہیں مناتے (اگر گھر لے جانے کی بات کی پھر کوئی گارنٹی نہیں۔)

"ہیری پوٹر پسند ہے۔؟" بھاری گمبھیر آواز زینیا کے کانوں سے ٹکرائی تو اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اسکے عقب میں ہی وہ مرد کھڑا تھا جسکی یہ کتاب تھی۔ قد میں اس سے اونچا، خوبصورتی میں شاید بہت کم۔

"ہیری پوٹر کسے پسند نہیں ہوگی۔۔؟" زینیا نے پہلو بدلا سنیپ (ہیری پوٹر کے جادوئی اسکول "ہاگورڈز" کا معلم) کی موت کا سین چل رہا تھا۔ وہ فینٹسی میں اتنی ڈوبی تھی کہ حقیقت میں کھڑے مرد کو نظر انداز کر گئی۔ قیس کمبیر اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر کتاب میں لکھے الفاظ پڑھ سکتا تھا۔ سنیپ کی موت . . اس جادوگر کی موت نے بہت لوگوں کو رلایا ہوگا۔ لیکن قیس کو ہمیشہ تسکین ملی تھی۔

"تم اسکی موت پہ افسردہ کیوں ہو رہی ہو۔؟ یہ وہی گھٹیا انسان ہے جس نے ڈمبلڈور کو مارا تھا۔ the nicest human on the earth مجھے سنیپ سے نفرت ہے۔۔" پوٹر ہیڈ نے تبصرہ کیا۔

"ڈمبلڈور (جادوئی اسکول ہاگورڈز کے پرنسپل) ایک عظیم شخصیت تھے۔ ہر بچے کے فیورٹ، اور محبت والے، مضبوط انسان۔" زینیا کہہ رہی تھی۔ "ایک عظیم شخص کی موت بھی اتنی ہی عظیم ہونی چاہیے تھی، جتنا وہ خود تھا۔ سنیپ اگر انہیں نہ مارتا تو وہ بوڑھا بد روح والد رموٹ (ہیری پوٹر کا ولن) انہیں مار دیتا،

- ڈمبلڈور ایک عظیم موت مرنا چاہتے تھے۔ ایک ولن کی جگہ انہوں نے ایک سرمئی کردار سے مرنا پسند کیا، اپنے دوست، اپنے جاننے والے شخص سے۔ یہ ایک عظیم موت تھی۔"

"بہر حال یہ ایک موت تھی۔ کیا سنیپ کو یہ حق تھا کہ ایک عظیم انسان کو یوں مار دے۔۔؟" پوٹر ہیڈ سنجیدہ تھا۔ غصے میں بھی اور شاید انکار میں بھی۔

"He asked for it"

"ڈمبلڈور مرنا چاہتے تھے۔ اور جو انسان مرنا چاہتا ہو اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اور ویسے بھی میرے نزدیک وہ ایک اور ریڈ کردار تھے۔" ڈمبلڈور کی شان میں گستاخی۔

"کیا تم نے یہ رائے کبھی کسی پوٹر ہیڈ کے سامنے پیش کی ہے۔۔؟" مرد نے سوال کیا۔

"میں اتنی پاگل نہیں ہوں۔ کوئی بھی پوٹر ہیڈ ڈمبلڈور کے بارے میں میری رائے جان کر مجھے جان سے مارنے مارنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔"

"یعنی اگر میں ایک سچا پوٹر ہیڈ ہوں تو مجھے تمہیں مارنا ہوگا۔؟" زینیا یکدم چونکی تھی۔ "مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ گستاخ۔۔" سفاک سرد لہجے کے ساتھ زینیا نے اپنی گردن پہ پستول کی ٹھنڈی نال محسوس کی۔

اسکا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ زینیا حاکم کو لگا تھا اب وہ ساری زندگی سانس نہیں لے سکے گی۔ پارک کی سفید روشنیوں، ٹھنڈی ہوا، اور لہلاتے درختوں کے درمیان وہ کھڑی تھی۔

ساکت، متحیر، شل۔

یہ کوئی جادوئی دنیا نہیں تھی، جہاں غائب ہوا جاتا، جہاں مرنے سے بچانے کوئی آجاتا۔ موت مبارک ہو زینیا حاکم۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

براق حنیف کا پینٹ ہاؤس آج ویران سا تھا۔ بتیاں بجھی ہوئی، شان و شوکت ماند پڑی ہوئی۔ اور گھر کا مالک اس وقت سوئمنگ پول کے نیلے پانی کے اندر پیر ڈالے ہوئے افسردہ سا بیٹھا تھا۔ گردن ڈھلکا رکھی تھی۔ چہرہ مایوس سا تھا۔ اسکا سگنیچر ہیئر سٹائل دھاری دار ٹو پیس آج ندارد تھا۔ آج اس نے لمبا سیاہ چغا پہن رکھا تھا۔ ماتھے پہ عربی سٹائل کا رومال باندھے آج وہ مکمل عرب لگ رہا تھا۔ لیکن عرب تو سفید نہیں پہنتے۔؟

پول گھر کی اوپری منزل پہ بنا تھا۔ یوں کہ یہاں سے شہر کی ساری روشنیاں نظر آتی تھیں۔ روشنیوں کا کیا کرنا جب اسکی زندگی میں اندھیرا تھا۔

دفتعا ایک آہٹ پہ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ مہدی کسیر ہاتھ میں پکڑی ٹرے میں دوگ لئے اسی طرف آ رہا تھا۔ اسکے بازو پہ پلستر اب بھی تھا۔ گردن واپس ڈھلکا دی گئی۔ اور مایوسیت کا دورہ ایک بار پھر پڑ گیا۔ مہدی اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔ اور پھر اسکے قریب بیٹھتے ہوئے، ٹرے کو زمین پہ رکھتے ہوئے اس نے بھی پیر پانی میں ڈال دیئے۔ ٹھنڈا بخ پانی ایک پل کو اسے ٹھٹھرنے پہ مجبور کر گیا۔ اگلے چند پلوں میں وہ نارمل ہو گیا۔ چائے کا بھرا ہوا گم اس نے براق کی جانب بڑھایا۔

"اگر اس میں زہر نہیں ہے، تو مجھ سے توقع مت رکھنا کہ میں اسے پیوں گا۔" مایوس دہائی۔ مہدی ہنس پڑا۔ "مجھ معصوم کے ہاتھوں مر کر کیوں میری بقیہ زندگی جیل کی نظر کرنا چاہتے ہو۔؟" اس نے ماحول کو ہلکا پھلکا کرنا چاہا۔

"تمہاری زندگی کا تو خیر ہے۔ کوئی مجھ سے میری زیست کا احوال پوچھے۔ ایک آدھا عرب ان پورے پاکستانوں کے درمیان کس مشکل سے اپنی زندگی کے ایام گزار رہا ہے۔ کسی کو میرے چھلنی ہوئے کلیجے



کی پرواہ نہیں۔ کوئی میری دادرسی نہیں کرتا۔" یہ کچھ زیادہ غمگین اور زیادہ لمبی دہائی تھی۔ مہدی نے گہری سانس بھری۔

"تم تو ہم پاکستانیوں سے بھی زیادہ مشکل اردو بولتے ہو۔ یار تمہارے ساتھ گزارا مشکل ہے۔" ایک عام سا تبصرہ براق کے دل پہ لگا تھا۔

"میں تم لوگوں کے درمیان فٹ ہونے کی کتنی کوشش کر رہا ہوں، لیکن تم لوگ ہو کہ میرے ہوتے ہی نہیں۔" آج براق واقعی اداس تھا۔ مہدی نے مگ نیچے رکھا۔ اور اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"کیا ہو گیا ہے بھائی۔؟ ہاتھ ہلکا رکھو۔ اچھا چھوڑو یہ سب یہ بتاؤ اپنی دس گرل فرینڈز ہونے کے باوجود، اس حسین شام میں میرے ساتھ کیا کر رہے ہو۔؟"

"ہاہ کیا بتاؤں۔" اس نے اداس آہ بھری۔ "بس آج کل میرا گرل فرینڈ بلاک چل رہا ہے۔ کسی سے ملنے اور بولنے کو جی ہی نہیں مانتا۔ میری زیست میرے لئے وبال بن گئی ہے۔" افسردگی سے اپنا حال سنایا گیا۔

"لعنت ہو تم پہ یہ کیسا بلاک ہوا۔؟ اور ابھی صبح ہی میں نے تمہیں انوشہ کے ساتھ دیکھا تھا۔ اسکے ساتھ میلاد پڑھنے تو نہیں گئے تھے ناں۔؟" مہدی نے ملامت کی۔

براق نے اداس آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "آج صبح میں نے بھی تمہیں ایک خوبصورت، دراز قد

حسین، سنہری آنکھوں والی لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا۔ تبلیغ کرنے تو تم بھی نہیں جا رہے ہو گے۔؟"

"اپنی بکواس بند رکھو۔" یکدم مہدی حد درجہ سنجیدہ ہو گیا۔ "اس لڑکی کے بارے میں ایک لفظ بھی

نہیں۔ بلکہ اسکی کوئی بات بھی نہیں ہوگی۔ اور تم آئندہ اسے اتنے غور سے نہیں دیکھو گے۔" انگلی اٹھا کر

تنبیہ کی گئی۔ براق نے اسی انگلی کو اپنی انگلی سے پکڑ کے نیچے کیا۔

"میں تو بھابی کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔" اسکا انداز مدافعانہ ہوا۔

"دیور بھابی کے معاشقے کے قصے بھی بہت سنے ہیں میں نے، آئندہ اسے بہن کی نظر سے دیکھنا۔ بلکہ

تم اسے نہیں دیکھو گے براق۔ وہ شادی شدہ ہے اور اپنے گھر میں خوش ہے۔" نہ جانے کیوں وہ اتنا

دفاعیہ انداز لئے ہوئے تھا۔ براق نے اپنے دونوں ہاتھ سرینڈر کرنے کے انداز میں اٹھائے۔

"اچھا اچھا نہیں دیکھتا۔ میری تو بس گاڑی سے باہر نظر پڑ گئی۔ ویسے اگر وہ شادی شدہ ہے یعنی تمہارا کوئی

آسرا نہیں ہے ناں۔؟"

"ہرگز نہیں، مر کر بھی نہیں۔" چبا چبا کر باور کروایا گیا۔ کچھ تھا جو اسے حد درجہ غیر آرام دہ کر گیا تھا

"اچھا تو پھر ٹھیک ہے تم میری کسی گرل فرینڈ سے شادی کر لو۔" چائے کا گھونٹ مہدی کے منہ سے

نوارے کی صورت باہر نکلا تھا اور پول کے نیلے پانی میں شامل ہو گیا۔ "دیکھو میری ساری لڑکیاں

خوبصورت، زہین، قابل اور سگھڑ ہیں۔ تم ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لو۔" وہ جیسے بس فیصلہ سن رہا

تھا۔ مہدی کا جی چاہا تھا اسے اسی پول میں دھکا دے کر مار دے۔

"لعنت ہو تم پہ براق حنیف۔ اب میں ان عورتوں سے شادی کروں گا جن کے بارے میں مجھے پتہ ہے

کہ وہ کس کس کے ساتھ گھومتی ہیں۔؟" اسکا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ "تمہیں شرم نہیں آ رہی۔ اپنی گرل

فرینڈ کا رشتہ ایسے کروا رہے ہو جیسے وہ تمہاری بہن ہو۔"

"میری نہ سہی کسی نہ کسی کی بہن تو ہوں گی۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بہن بھائی ہوتا ہے۔ اس نا

طے میرا فرض ہے کہ میں اپنی گرل فرینڈز کی شادی کی فکر کروں۔ انکے لئے اچھا گھر اور نیک بر تلاش

کروں۔" آہ انسانیت تو براق حنیف پہ ختم ہوتی تھی۔ مہدی نے شعلہ باز نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ہاتھ میں پکڑا چائے کا مگ کھٹ کی آواز سے نیچے رکھا۔

"یہ اچھا گھر، اور نیک بر صرف میری صورت میں میسر ہے۔؟ تم خود کیوں نہیں کر لیتے شادی۔؟"

براق نے کندھے ایک بار پھر ڈھلکا دیئے۔ "میں ایک بیڈ بوائے ہوں۔ (بوائے۔؟ کیا واقعی۔؟) میں نے ساری زندگی عیاشیوں میں گزاری ہے، گناہ کئے ہیں۔ لیکن میں اب بھی سدھرا نہیں ہوں۔ شادی ایک نیک کام ہے۔ اور براق حنیف ابھی اپنے گناہوں کے ساتھ خوش ہے۔ بلکہ خوش بھی کہاں۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔ میری تو ساری مسرتیں مجھ سے روٹھ گئی ہیں۔ جب سے میرا دوست مجھ سے ناراض ہے۔ ہاں وہ کہتا ہے اس نے مجھے معاف کیا، لیکن مجھے میرا دوست پہلے جیسا چاہیے۔"

"اچھا بتاؤ یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔؟ کوئی طریقہ تو ہو گا ناں۔؟ کچھ تو ہو گا جس سے ہم سب کچھ صحیح کر سکیں۔ میں قیس کو منالوں گا بس تم طریقہ بتاؤ۔۔" اسپیکر صاحب ہو گئے پر جوش۔

"طریقہ تو بس ایک ہی ہے۔ تم میری گرل فرینڈ سے شادی کر لو۔ ہم رشتے دار بن جائیں گے۔ اور رشتے دار چاہے زہر ہوں، حلق میں تو اتارنے پڑتے ہیں۔ پھر کب کا ارادہ ہے۔۔" وہ آنکھوں میں آس لئے

اسے دیکھ رہا تھا۔ مہدی نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اسے لعنت دی تھی۔ (زخمی بازو میں بلا کا درد اٹھا تھا

(

"یو نو واٹ نائٹ میسر نے تمہارے ساتھ جو کیا بہت اچھا کیا۔ تم اسی لائق ہو۔ جہنم میں جاؤ تم اور تمہاری اسلامی بہنیں۔" وہ دھیمی آواز میں غرار ہا تھا۔ "بلکہ لعنت ہو مجھ پہ جو میں تمہارے بلانے پہ یہاں آ گیا۔" اس نے اپنے پیر پانی سے باہر نکالے اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اندر کی طرف جاتے ہوئے اسکی سماعتوں میں ایک بار پھر براق کی آواز گونجی۔

"آج رات اگر میں نے ڈپریشن کی وجہ سے خودکشی کر لی، تو میری آخری وصیت میں، میں تمہیں اپنی تمام گرل فرینڈ کا سربراہ بنا کر جاؤں گا۔" مہدی نے ضبط سے اسے دیکھا۔ اور براق نے ملتجی نظروں سے، "دیکھو مہدی، پلیز ان کا خیال رکھا، ساری کی ساری مجھے جان سے پیاری ہیں کمبخت۔"

اب بس مہدی کا صبر ٹوٹ چکا تھا۔ وہ ڈھیر ساری گالیوں سے اسے نوازتا باہر جا رہا تھا۔ براق حنیف سیاہ لباس میں اب بھی پول کے کنارے بیٹھا تھا۔ آنکھیں افسردہ، کندھے ڈھلکے ہوئے، دل بے چین۔

"یا اللہ میرے بعد میری گرل فرینڈز کا کیا ہوگا۔ میں دس لڑکیوں کی ذمہ داری سر پہ لے کر مر بھی تو نہیں سکتا۔؟" اس کے غم میں رات بھی غمگین تھی۔

☆☆☆☆☆☆

پارک کی سفید بتیوں کے درمیان کھڑی زینیا حاکم سن تھی۔ اسی لمحے اس شخص نے کلک کی آواز کے ساتھ گن لوڈ کی تھی۔ زینیا کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں، چہرہ سفید پڑنے لگا۔ زبان تالو سے چپک گئی۔ ہوگی وہ کہیں کی زینیا حاکم لیکن جان کا خوف بڑے بڑے سورماؤں کی حکمت عملی کو ردی کا ٹوکرا بنا دیتا ہے۔

"پلیز ٹریگر مت دبانا پلیز . . . . مجھے مرنا نہیں ہے پلیز۔۔" وہ زور زور سے یہی الفاظ دہرانا چاہتی تھی۔ لیکن الفاظ حلق سے نکلنے کو راضی نہیں تھے۔ اسکا سارا بدن پسینے میں ڈوب گیا۔

"کون ہو تم۔؟ اور میرا پیچھا کیوں کر رہی ہو۔۔؟" قیس نے چبا چبا کر الفاظ ادا کئے۔ زینیا کو اب بھی سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ کافی دیر تک جب وہ ایک بار پھر خاموش رہی تو قیس کا لہجہ مزید سرد ہوا۔

"میں نے پوچھا کون ہو تم۔؟ اور میرا پیچھا کیوں کر رہی ہو۔۔؟"

"می۔۔ میں تمہارا . . پیچھا نہیں کر رہی۔" با مشکل چند الفاظ گھسیٹ سکی۔ سانس اب تک سینے میں اٹکا

ہوا تھا۔ کہیں سائیکوپیتھ نے گولی چلا دی تو۔۔؟ وہ اسکی آواز ضرور پہچان لیتا اگر آوازیں اسکا خوف نہ

ہوتیں۔ قیس کبیر ایک فوبک انسان تھا۔ آوازیں اسکا خوف تھیں۔

"تم کافی دیر سے مجھے دیکھ رہی ہو، میری تصاویر لے رہی ہو۔ تم مجھے اسٹالک کر رہی ہو۔؟ جرات کیسے

ہوئی۔؟" وہ دھیمی مگر سخت آواز میں غرا رہا تھا۔ پستول اب بھی زینیا کی گردن پہ تھی۔

"میں . . میں اسٹالک نہیں کر رہی۔ میں ایک فوٹو گرافر ہوں . . میں بس . . . ."

"میری اجازت کے بغیر میری تصویر لینے والی تم ہوتی کون ہو۔۔؟" قیس نے اسکی بات کاٹی۔

"دیکھو ہم بات کر سکتے ہیں۔ گن ہٹاؤ میں کوئی اسٹالکر نہیں ہوں۔ میں بس ایک فوٹو گرافر ہوں۔ غلطی

ہوگئی تمہاری تصویر لے لی۔" آخر میں اس نے گویا خود پہ لعنت بھیجی ہو۔

"تم ایک انسان کی موت کو جسٹیفائی کر رہی تھیں۔۔؟" سفاک سرد آواز زینیا کے کانوں کہ بلکل

قریب سے ٹکرائی۔



"وہ ایک فکشنل کردار تھا ڈیم اٹ۔ میں جیتی جاگتی عورت ہوں گن ہٹاؤ۔" وہ دھیمی آواز میں غرائی۔

قیس نے اب کے پستول اسکی گردن پہ گھمائی۔ جو نہی ٹھنڈی نال اسکی گردن سے ٹکراتی، زینیا حاکم کو موت اپنے بالکل قریب تر نظر آنے لگتی تھی۔ اسکے سارے جسم سے ٹھنڈے پسینے چھوٹ رہے تھے

۔ ایک کلک اور اسکا کام ختم۔

"وہ فکشنل بعد میں انسان پہلے تھا۔" یاد دہانی کروائی گئی۔

"کیا تم پاگل ہو۔؟ ایک افسانوی کردار کی خاطر تم ایک زندہ انسان کے اوپر گن تانے ہوئے ہو۔؟"

"سارے پوٹر ہیڈ اتنے ہی پاگل ہوتے ہیں جتنا میں ہوں۔ تمہیں کیا لگتا ہے ایک نارمل انسان اڑتی

روحوں، چلتی بینٹگنز، جگہ تبدیل کرتی سیڑھیوں اور جادو سے بنی ایک دنیا کو بار بار دیکھ سکتا ہے۔؟ یہ ہم

پاگل لوگ ہی کر کر سکتے ہیں۔"

"مجھے مارنے سے ڈمبلڈور واپس نہیں آئے گا البتہ یہ دنیا ایک اور پاگل پوٹر ہیڈ کو کھو دے گی۔ کیا یہ

نقصان نہیں ہوگا۔" وہ اسے الفاظوں کے جال میں پھنسا رہی تھی۔ قیس کی آنکھیں مشکوک انداز میں

سکڑیں۔

"کیا تم واقعی ایک پوٹر ہیڈ ہو۔؟"

"تمہیں کیا لگتا ہے ایک نارمل عورت، یوں پارک میں کسی مرد کی تصاویر لیتی پھرے گی۔؟ میں تمہارے ہاتھ میں موجود کتاب کی تصاویر لے رہی تھی۔ اب گن ہٹاؤ۔" قیس نے آہستگی سے گن ہٹالی۔

زینیا کی سانس بحال ہوئی۔

چند پل وہ یونہی کھڑی رہی۔ گہری لمبی سانسیں لیتی رہی۔ پچھلے چند منٹ کو اپنی یادداشت کے پردے پہ دہراتی رہی۔ اور پھر وہ مڑی تھی۔ اپنے سامنے کھڑے اس مرد کو دیکھا۔ جو نیم پاگل معلوم ہوتا تھا۔ کم از کم ایک نارمل انسان یوں کسی پہ گن نہیں تان لیتے۔

"تم نے میری تصاویر لی ہیں۔ میری اجازت کے بغیر۔ تمہیں مجھ سے معافی مانگنی چاہیے۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"تم نے مجھ پہ گن تانی ہے، تمہیں نہیں لگتا کہ معافی تمہیں مانگنی چاہیے۔۔؟"

"عجیب عورت ہو تم، پہلے میری تصاویر اتاریں، پھر میری کتاب چرانے کی کوشش کی اور اب ڈھٹائی بھی تم ہی دکھا رہی ہو۔؟"

"اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔؟ کوئی کم عجیب تو تم بھی نہیں۔ ایک طرف تم ایک سچے پوٹر ہیڈ ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ اور دوسری طرف تم نے یہ کتاب یہاں چھوڑ دی۔؟" ابھی قیس کوئی جواب دیتا کہ اسکا فون بجنے لگا۔ ایک سخت نظر زینیا پہ ڈالتے ہوئے اس نے فون اٹھا لیا۔

"کیا ہوا ہے بختیار چچا کو۔؟ . . . . . میں پہنچ رہا ہوں۔ بس دس منٹ . . . . . خیال رکھو میں آرہا ہوں۔" وہ متفکر سا عجلت زدہ سا تھا۔ کال کاٹ کر اس نے زینیا کو دیکھا۔

"I am not done yet"

"تم نے میری تصاویر لی ہیں تمہیں جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔" وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

"جہنم میں گئے تم اور تمہارا جرمانہ۔۔" زینیا پوری قوت سے چلائی۔

"میں تمہیں دیکھ لوں گا۔۔" وہ پیچھے مڑ کر جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔

"دیکھ لینا روکا کس نے ہے۔۔" وہ بھی تڑخ کر بولی۔ اب کے قیس نہیں مڑا وہ تیز تیز قدم لیتا باہر جا رہا تھا۔ چند لمحے زینیا وہیں کھڑی رہی، پھر آگے بڑھ کر کتاب اٹھائی اور پارک سے باہر نکل آئی۔

گردن پہ اب بھی پستول کی ٹھنڈی نال محسوس ہو رہی تھی۔ اسلام آباد اچھا تھا، لوگ نہیں، شہر مہربان تھا، لوگ ظالم تھے۔ آج کی پوری رات بے سکونی کے نام۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے دن صبح سات بجے کے قریب زینیا گھر سے نکل آئی۔ اگلے دو گھنٹوں میں وہ "نمل" یونیورسٹی میں تھی۔ اسلام آباد کی بہت بڑی یونیورسٹی، جہاں ہزاروں کی تعداد میں بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ وسیع سبزہ زار کے عین بیچ میں کھڑی عمارت خوبصورتی کی مثال تھی۔ تفصیلی دورے کو فحالی ملتوی کیے ہم کیفے ٹیریا کا رخ کرتے ہیں۔ کیفے ٹیریا کے ایک بیچ پہ بیٹھی، وہ اپنے موبائل پہ کچھ دیکھ رہی تھی۔ سیاہ رنگ کے سادہ سے جوڑے میں اسکی رنگت دمک رہی تھی۔ سر پہ سرخ سیاہ چنری پرنٹ کا دوپٹہ تھا۔ وہ آج معمول سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ ایک ہاتھ میں سینڈ وچ تھا اور ایک ہاتھ میں موبائل اونچا کر رکھا تھا۔ کانوں میں ایر پوڈز لگے تھے، وہ کافی مصروف لگتی تھی۔ اور بے نیاز بھی۔ کشش تھی کہ کیا کئی لوگوں نے کئی بار اسے مڑ کر دیکھا تھا۔ کئی لڑکوں نے اسے ساتھ بیٹھنے کی اجازت چاہی تھی۔ خوبصورتی کئی بار وبال بن جاتی ہے۔

دفترا اپنی میز پہ ہونے والی ہلکی سی دستک پہ اس نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ سبز آنکھوں میں خوش گوار حیرت لئے مہدی کمبیر اسکے سامنے تھا۔ زینیا کے حلق تک میں کڑواہٹ گھل گئی۔ جبکہ مہدی اب مسکراتے ہوئے اسکے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تھا۔ آس پاس بیٹھے سٹوڈنٹس کو حیرت کے شدید جھٹکے لگے تھے۔ وہ مہدی کمبیر جس کے پاس سلام کا جواب دینے کی فرصت نہیں ہوتی تھی۔ وہ کس سکون سے اسکے ساتھ بیٹھا تھا۔ وہ لڑکی جس نے یونیورسٹی کے اچھے خاصے خوبصورت، امیر لڑکوں کو اپنے ساتھ بیٹھنے نہیں دیا، وہ اسے روک نہیں رہی تھی۔ حیرت بنتی تھی۔

سفید گول گلے والی شرٹ کے اوپر سبز اور سائز شرٹ کے ساتھ سویٹ پینٹس پہنے وہ کافی اچھے سے تیار تھا۔ کلائی میں ہمیشہ کی طرح برانڈڈ گھڑی تھی۔ اور جوتے چمک رہے تھے۔ گھڑیوں کے معاملے میں وہ شخص کا مپر و مائز نہیں کرتا تھا۔

"اگر تمہیں لگ رہا ہے میں تمہارا پیچھا کر رہا ہوں، تو تم بالکل غلط ہو۔ میں تو یہاں پڑھتا ہوں۔" وہ اس کی نظریں بھانپ گیا تھا۔

"پڑھانے کی عمر میں پڑھ رہے ہیں کمال ہے۔۔"

"اوہ کم آن میں صرف چھبیس سال کا ہوں۔" مہدی تو برا ہی مان گیا تھا۔

"آپ کے سبجیکٹس کیا ہیں۔۔؟" بس اب وہ فارسی کی کلاسز نہ لے رہا ہو۔

"فارسی سیکھ رہا ہوں۔۔" مسکرا کر جواب دیا۔۔ زینیا مسکرا بھی نہ سکی۔

"تین سال پہلے میری پڑھائی مکمل ہو گئی تھی۔ لیکن دو ماہ پہلے ہی مجھے نیا شوق چڑھا ہے۔ سو میں فارسی

سیکھنے آگیا۔ میری کلاسز کل سے سٹارٹ ہو رہی ہیں۔ تم کیا کر رہی ہو یہاں۔۔" زینیا نے بے بسی سے

اسے دیکھا تھا۔

"فارسی۔۔" یک حرفی جواب کے بعد وہ دونوں ایسے چپ ہوئے گویا منہ میں زبان ہی نہیں۔ دونوں

جانتے تھے، یہ ان دونوں کے لئے کتنا غیر متوقع اور کتنا زیادہ اتفاقی تھا۔

"تم کہتی ہو تو میں یونیورسٹی چھوڑ دیتا ہوں۔ ویسے بھی یہ میرا شوق ہے۔ دو ماہ سے زیادہ میں ملک میں

نہیں رہتا۔" رسان سے آفر دی گئی۔ زینیا نے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس یونیورسٹی میں ہزاروں لڑکے اور بھی ہیں۔ آپ پڑھ سکتے ہیں۔ بس مجھ

سے واسطہ کم سے کم رکھیے گا۔۔"

"جو حکم سرکار۔۔" وہ سینے پہ ہاتھ رکھ کر مسکرایا۔ زینیا نے رخ موڑ لیا اور اپنا سینڈوچ دانتوں سے

کترنے لگی۔ مہدی اسے دیکھے گیا۔ زینیا نے انتظار کیا کہ وہ اب اٹھ جائے گا۔ لیکن جب وہ کافی دیر تک

وہیں جما رہا تو بلاخر زینیا نے اس سے پوچھ ہی لیا۔۔ "یعنی آپ یہاں سے نہیں جائیں گے۔؟" مہدی نے

مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔ "پوچھیں کیا پوچھنا ہے۔۔؟"

"تمہاری شادی کیسی ہے۔؟ بلکہ یہ بتاؤ شادی کیسی ہوتی ہے۔۔؟" زینیا کی آنکھوں میں تھکن اتری۔

"شادی ایک تجسس ہوتی ہے۔ چند ماہ میں تجسس ختم ہو جاتا ہے اور پھر شادی کمر پہ لدا بوجھ بن جاتی ہے

۔۔"

"کیسا تجسس۔۔؟" اسپیکر نے سوال کیا۔

"ہر انسان کا تجسس مختلف ہوتا ہے۔ کسی کو جاننا ہوتا ہے شادی کے بعد ایک کمرے میں ایک شخص کے

ساتھ رہنا کیسا ہوتا ہے۔، کسی کو تجسس ہوتا ہے کہ اپنے گھر کو چھوڑ کر سسرال والوں کے ساتھ رہنا

کیسا ہوتا ہے، محبت کیسی ہوتی ہے، لانگ والک کیسی ہوتی ہے، ایک عورت کا آپ کے نام سے منسوب

ہونا، اسکے تمام جملہ حقوق آپ کے پاس ہونا کیسا ہوتا ہے۔، ہر مشکل وقت میں ایک شخص آپ کی ساتھ



کھڑا ہوگا، اسکا کھڑا ہونا کیسا ہوتا ہے۔ سارے زمانے کی ٹھوکروں کے بعد ایک سہارا کیسا ہوتا ہے، کبھی کوئی آپ کو سمجھ نہیں سکا لیکن ایک شخص شاید سمجھ لے وہ سمجھنا کیسا ہوتا ہے۔ بس اسی تجسس کا نام شادی ہے۔ "مہدی کی آنکھوں میں بے چینی اتری۔

"لیکن آفٹر آل تجسس ایک احساس ہی تو ہے کیا ہو اگر یہ ختم ہو جائے۔ کیا تجسس ختم ہونے کے بعد شادی ختم ہو جاتی ہے۔؟"

"تجسس اگر ختم بھی ہو جائے تو تعلق بعض دفع ختم نہیں ہوتے۔ کیونکہ تب تک آپ اس تعلق میں بہت کچھ انویسٹ کر چکے ہوتے ہیں۔ ہاتھ کھینچ لینا، قدم موڑ لینا مشکل ہو جاتا ہے۔" وہ متانت سے بولی۔

مہدی البتہ اب بھی غیر آرام دہ تھا۔

"یعنی ہر شادی ایک وقت کے بعد قید ہوئی۔۔؟" وہ نتیجہ چاہتا تھا۔

"اؤنہوں ہر بار ایسا نہیں ہوتا۔ کئی بار کچھ لوگوں کا تجسس ساری زندگی ختم نہیں ہوتا۔ اور وہ خوش رہتے ہیں۔ ہر نئے دن انہیں اپنی شادی نئی لگتی ہے۔ کمٹمنٹ سے محبت ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کچھ جوڑے مرنے کے بعد جنت کے تجسس میں خوش رہتے ہیں۔"

"اور اگر خوش نہ رہے تو۔۔؟" اسے خوف لاحق ہوا۔

"پھر آپ کا بخت۔ شادی ایک جوا ہوتی ہے۔ جیت گئے تو واہ واہ جو ہارے بھی تو بازی مات نہیں۔۔" زینیا نے کہتے ساتھ کندھے اچکائے۔

"ہارے بھی تو بازی مات نہیں یعنی۔؟" سبز آنکھوں نے ایک اور سوال کیا۔ زینیا مسکراتے ہوئے آگے کو جھکی۔

"یعنی ایک اور پارٹنر کا تجسس، ایک نئی شادی، نئے لوگ، نئی خوشیاں یا پھر اپنے ساتھ کا تجسس۔" وہ آنکھوں میں چمک لئے بتا رہی تھی۔ مہدی نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"یعنی شادیاں اتنی ٹاکسک ہوتی ہیں۔ خدا کا شکر ہے اگلے دس سالوں تک میرا کوئی ارادہ نہیں۔" وہ ایک پل کو رکا۔ سیاہ لباس والی لڑکی کو دیکھا۔ "تمہاری شادی کیسی ہے۔؟ تمہارے تجسس کا سفر کیسا جا رہا ہے۔؟"

زینیا کی آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔ لب البتہ مسکراتے رہے۔ "میں نے بالاج سے کبھی کوئی امیدیں رکھی ہی نہیں تھیں۔ مجھے اسکی ذات کا کوئی تجسس سرے سے تھا ہی نہیں۔ اس لئے میری شادی نارمل ہے۔"

"تمہیں اس سے کوئی امید نہیں۔؟ کیا وہ اتنا برا ہے۔؟"

"وہ برا نہیں بس "جلدی" تھا۔ مجھے کچھ سوچنے اور امید رکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"نارمل شادی کیسی ہوتی ہے۔۔؟" آخر اس آدمی کے سوال ختم کیوں نہیں ہوتے۔؟

"ہفتے میں چار دن صبح دو دن لڑائی۔ اور ایک دن شادی کرنے کا پچھتاوا۔" وہ عام سے انداز میں بولی، مہدی قہقہہ مار کر ہنسا تھا۔ آس پاس لوگ گردن اٹھا کر انہیں دیکھنے لگے۔ کئی لڑکیوں کو رقابت محسوس ہوئی تھی۔ ہاں ٹھیک ہے یہ سنہری آنکھوں والی لڑکی خوبصورت تھی۔ لیکن ایسا بھی کیا کہ اسکے پاس سے اٹھا ہی نہ جائے۔

"ایک آخری سوال پوچھ لوں۔؟" اسکے منت کرنے کے سے انداز میں زینیا نے تکان سے اسے دیکھا۔

پھر بازو سینے پہ باندھے اور ہاتھ سے اسے بولنے کا اشارہ کیا۔ "تم کتنی بار پچھتائی ہو۔؟"

"ہر منٹ میں ساٹھ بار۔۔" اسکے برجستگی سے جواب دینے پہ مہدی ایک بار پھر ہنس پڑا۔ زینیا بھی ساتھ

مسکرائی تھی۔ پھر اپنی ٹھنڈی ہو چکی چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔ مہدی اب اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ کا تجسس کیا ہے مسٹر کمبیر۔؟" مہدی ٹھہر سا گیا۔ آہستگی سے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔ کئی لمحے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"میرا تجسس "سکون" ہے۔ میں ایک ٹھہراؤ کی تلاش میں ہوں۔ کوئی ایسا ساتھی جس کے ساتھ میں کئی ماہ ایک شہر میں گزار دوں اور بور نہ ہوں، بے سکون نہ ہوں۔"

"پھر کوئی ملی کیا۔؟"

"ملی تھی۔۔" اس نے دھیرے سے اعتراف کیا۔ "لیکن وہ محبت نہیں تجسس تھی۔ جان لیا تو ختم ہو گیا۔"

"وہ کہہ کر رکا نہیں شاید اپنی آنکھیں پڑھ لئے جانے کا خوف تھا۔ زینیا کئی لمحے اسکی آنکھوں میں ابھرتا عکس نہ دیکھ پانے کے غم میں رہی۔"

☆☆☆☆☆

شام کا نیلگوں اندھیرا سارے میں چھایا ہوا تھا۔ زینیا حاکم کے ہاسٹل کے کمرے میں افرا تفری کا عالم تھا۔ سنہری آنکھوں والی لڑکی بیڈ پہ لیٹی تھی۔ چائے، نیند، اور پرفیکشن زینیا انکے بغیر ادھوری تھی۔ کمرے میں ملگجا سا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ایک جانب رکھے پلنگ پہ زینیا سو رہی تھی۔ مگر دوسری جانب کا پلنگ خالی تھا

- اونہوں مالکن ہمیشہ کی طرح گھر سے غائب نہیں تھی۔ بلکہ آج تو محترمہ الماری میں منہ دیئے کھڑی تھیں۔ چہرے اور انداز میں بے چینی تھی۔ وہ شاید کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ ماتھے پہ پسینے کی ننھی ننھی بوندیں تھیں، اور آنکھیں ہر گزرتے پل گلابی پڑتی جا رہی تھیں۔ کھڑ پٹر کی آواز میں کم از کم زینیا اٹھنے والی نہیں تھی۔ بقول بشر کے زینیا دیو ملائی کتابوں کا وہ دیو ہے جو چھ ماہ سوتا ہے اور چھ ماہ جاگتا ہے۔ یہ وہی عورت تھی جسے سحری میں ڈھول والا بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔

چند پل بعد کمرے کی حالت غیر ہو چکی تھی۔ اسی لمحے زینیا کا موبائل زور زور سے تھر تھرایا۔ بالاج کی ناراضگی کے خوف سے وہ نیند میں بھی الرٹ رہنے لگی تھی۔ کال بج بج کر ختم ہو گئی تو دوبارہ سے موبائل تھر تھرانے لگا۔ چونکہ موبائل میں ہینڈ فری لگے تھے سو اسکی روم میٹ تک آواز نہ گئی۔ مسلسل بجتے فون نے اسکی نیند میں خلل ڈالا۔ اور پھر وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ چند پل سوئی سوئی آنکھوں سے اپنے اطراف میں دیکھتی رہی۔ لباس وہی صبح والا تھا۔ عین اسی لمحے اس نے کچھ ایسا منظر دیکھا کہ اسکی آنکھیں ابل کر باہر کو آنے لگیں۔ اسکی روم میٹ کے ہاتھوں میں سفید پاؤڈر کی پڑیاں تھیں۔ اور دور حاضر میں ہر انسان کو معلوم تھا، یہ سفید پڑیاں اپنے اندر کیسا سیاہ جہاں بسائے ہوئے تھیں۔ نین تارہ زینیا کی جانب متوجہ نہیں تھی۔ اسکے ہاتھ تیز تیز چل رہے تھے۔ سفید پاؤڈر کی پڑیاں جلدی جلدی بیگ میں ڈالتے

ہوئے وہ کہیں جانے کے لئے تیار تھی۔ اسی لمحے اسکی اپنی طلب بھی شدید ہونے لگی، یا شاید اپنی گھبراہٹ پہ قابو پانے کا ایک طریقہ تھا۔ اس نے ایک پڑیا کو ماتھے سے چاک کیا۔ ذرا سا چورا ہاتھ پہ گرایا، کسی جنونی کے جیسی ترسی ہوئی مسکراہٹ اسکے لبوں پہ در آئی۔ آنکھیں بند کر کے ناک سے سفید پاؤڈر اندر کی جانب کھینچا۔ اگلے کئی لمحے اس نے خود کو ہلکا محسوس کیا۔ ہوا سے بھی ہلکا۔ سرور سے زیادہ مسرور، خوش سے زیادہ خوش، وہ اس جہاں میں نہیں تھی۔ اسے لگا تھا کسی نے اسے ہواؤں میں اٹھا لیا تھا۔ اسے لگا تھا کسی نے ساری دنیا کی خوشیاں اسے دے دی ہوں۔ آس پاس قہقہے بکھر گئے۔ وہ اس دنیا اس حال سے غافل تھی۔ اسکے پیر، جسم ہواؤں میں تھے، بے اختیار اسکا قہقہے مارنے کو جی چاہا۔ ایک ڈرگ ایڈیکٹ کو اسکا نشہ مل چکا تھا۔ اسکی ناک کے نتھنوں سے اب خون کی پتلی لکیر بہہ نکلی تھی۔ آنکھیں نیم وا تھیں۔ بدن ڈھیلا۔ اسکا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اور وہ دنیا جہاں سے بے گانہ تھی۔ زینیا سن سی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ کہاں آگئی تھی۔؟ کبھی رات کے اندھیرے میں کوئی اسکی گردن پہ بندوق رکھ دیتا تھا۔ کبھی آتی ہوئی شام میں کوئی اسکے سامنے یوں جرم کر رہا تھا۔ گناہ کر رہا تھا۔ بڑا شہر اپنے اندر بڑے اژدھا سمیٹے ہوئے تھا۔ اس لمحے اس سمے اسے ساری دنیا سے خوف آیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے پیچھے ہوتے ہوئے اپنے پلنگ سے جا لگی۔ آنکھیں نا محسوس انداز

میں بھر آئیں۔ زینیا حاکم ایک غلط ایکویشن میں پھنس چکی تھی۔ نین تارہ اب بھی مسرور سی تھی، ہواؤں کے دوش پہ، خلاؤں کے درمیان۔

کسی احساس کے تحت نین تارہ نے مڑ کر دیکھا۔ زینیا کو اپنی طرف دیکھتا پا کر ایک لمحے کو وہ سن رہ گئی۔ ناک سے بہتی پتلی سرخ لکیر کو انگلی سے صاف کیا، گلابی آنکھوں میں جلال لئے وہ زینیا کی اور بڑھی بیڈ کے قریب پہنچ کر اس نے ایک جھٹکے سے زینیا کو پلنگ سے لگایا۔ اور اسکے گلے پہ اپنے دونوں ہاتھوں سے گرفت جمائی۔ زینیا کی آنکھوں سے بہتا پانی اب اسکے ہاتھوں پہ بہہ رہا تھا۔ وہ دباؤ بڑھاتی جا رہی تھی۔ ساکن بیٹھی لڑکی کوئی مزاحمت نہیں کر رہی تھی۔

"اگر تم نے منہ کھولنے کی کوشش بھی کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ ہماری پہنچ بہت اونچی ہے اپنے کام سے کام، اور منہ بند رکھو گی تو فائدے میں رہو گی ورنہ . . . . "وہ آگے کو ہوئی۔" تمہارے ٹکڑے بھی تمہارے گھر والوں کو نصیب نہیں ہوں گے۔ "حقارت، سختی، اور تپش سے کہتے ہوئے اس نے زینیا کو جھٹکے سے چھوڑا۔ یہی جھٹکا زینیا حاکم کو ہوش میں لانے کے لئے کافی تھا۔



نہیں تارہ اب مڑ گئی وہ اپنا بیگ باندھ رہی تھی۔ کئی کلو ڈرگز کئی ہزار لوگوں کی زندگی خراب کرنے کو تیار تھی۔ ان بچوں کی جو شہر سے دور، ماں باپ بہن بھائیوں سے دور مستقبل سنوارنے آئے تھے۔ اور یہاں ذہنی صحت بگاڑ کر جانے والے تھے۔ زینیا نے اپنی آنکھیں بے دردی سے رگڑ کر صاف کیں۔ اسی پل ہاسٹل کے باہر سے پولیس کی گاڑی کا سائرن سنائی دینے لگا۔ زینیا حاکم کو ساری دنیا اپنے سر پہ گھومتی محسوس ہوئی۔ اس نے برق رفتاری سے پیر نیچے اتارے۔ نین تارہ بھی سہم چکی تھی۔ اسکے ہاتھ تیزی سے ایک نمبر ڈائل کر رہے تھے۔ باہر سے اب آوازیں مزید قریب آتی جا رہی تھیں۔

"میں نے تم سے کہا تھا پولیس کو پتہ چل گیا ہے۔ میں نے کہا تھا ہماری پرچی کٹ گئی ہے۔ . . . . " وہ

فون کان سے لگائے غرا رہی تھی۔ اور زینیا آنکھیں صاف کیے مسائل کے حل کے لئے تیار تھی۔

"فورا یہاں پہنچو . . . . بلکہ فورا سے پہلے . . . بیگ کسی صورت پولیس کے ہاتھوں نہیں لگنا چاہیے۔

جلدی آؤ خبیث انسان۔ " اسکے منہ سے کف نکل رہا تھا۔ پھر اس نے مڑ کر زینیا پہ ایک بے زار نگاہ ڈالی

-

"یہاں سے دفعان ہو جاؤ . . ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔۔۔" اسکا بس نہیں چلتا تھا زینیا کو دھکے

دے کر یہاں سے نکال دے۔ سائرن کی آواز اب بے حد قریب آگئی تھی۔ اسی لمحے زینیا نے فوراً الماری کے کھلے ہوئے پٹ سے اپنا چھوٹا سا بیگ پیک نکالا، تکیے کے پاس رکھا فون اٹھایا۔ آنکھوں میں عزم اور چہرے پہ سختی۔ زینیا حاکم ایک فرار کے لئے تیار تھی۔

نین تارہ اب بھی فون پہ کسی سے بات کرنے میں مصروف تھی۔ کبھی وہ گالیاں بکتی، اور کبھی تحمل سے سامنے والی کی بات سنتی۔ زینیا اسکے سامنے آ کر رکی۔ بھورے بیگ پہ ایک نظر ڈالی اور پھر نین تارہ کو دیکھا۔

"تم معصوم سٹوڈنٹس کی زندگی خراب نہیں کر سکتیں۔ میں کرنے نہیں دوں گی۔" یہ کوئی اور لڑکی تھی، نین تارہ نے جسکا گلہ دبایا تھا یہ اس سے مختلف تھی۔ وہ کئی لمحے اسے بے یقینی سے دیکھتی رہی۔ اور نین تارہ زور سے ہنسی تھی۔ "اوہ تو اب تم مجھے درس دو گی۔؟ نیکی کی شہزادی۔۔؟"

"میں ملکہ بد ہوں حکم دوں گی۔۔۔" کہتے ساتھ زینیا نے بیگ اٹھانا چاہا لیکن نین تارہ نے ایک زور دار لات اسکے پیٹ پہ دے ماری، سنہری آنکھوں والی لڑکی درد سے دہری ہونے لگی، لیکن ہمت نہ ہارتے

ہوئے اس نے ایک بار پھر بیگ چھیننا چاہا اب کی بار نین تارہ نے اسے بالوں سے کھینچ کر پرے ہٹایا، زینیا فرش پہ گر پڑی، جسم سے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ نین تارہ پاگلوں کی طرح اپنے لینکل بوٹ سے اسے مارتے چلی گئی۔ ہاتھ میں بیگ اب بھی پکڑ رکھا تھا۔ زینیا اپنا بچاؤ کرنے کی بجائے کسی طرح اس بیگ کو حاصل کرنا چاہتی تھی اور اسی لمحے اس نے لینکل بوٹ والی لڑکی کا بوٹ ہاتھ پہ روک لیا، اونچی ہیل گویا ہتھیلی میں گڑھ سی گئی۔ نین تارہ منہ کے بل فرش پہ آن گری، لیکن وہ ایک ماہر عورت تھی۔ جس تیزی سے گری تھی اسی تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ زینیا کو بغیر کسی بچاؤ کا موقع دیئے بوٹ زور سے اسکے چہرے پہ مارا گال تک گوشت تک پھٹ گیا تھا۔ درد نے اسکے جسم کو سن کر دیا۔ اسکی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ موٹے موٹے آنسو گالوں پہ لڑھک گئے۔

دھندلی پڑتی بصارت کے ساتھ اس نے نین تارہ کو کمرے سے باہر جاتے دیکھا۔ چند آنسو اسکی آنکھوں سے نکل کر بے قیمت ہوئے۔ چند لمحے یونہی ساکن پڑے رہنے کے بعد اسکے جسم میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ پولیس کی گاڑی اب دروازے کے باہر تھی اور اسپیکر پہ کچھ کہا جا رہا تھا۔ زینیا تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

کچھ پل بعد وہ تیز تیز سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے آئی۔ گیلری میں واقع کچن کی طرف جاتے ہوئے اسکا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ہر اسان نظروں سے اطراف میں دیکھتی وہ بس جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ پولیس اب اندر آ چکی تھی۔ لیڈی اہلکاروں کی ایک بڑی تعداد گھر کے اندر داخل ہو رہی تھی۔ بھاری بوٹوں کی دھمک صور کی طرح کانوں میں چھید کئے دیتی تھی۔ کچن میں کھڑی زینیا حاکم کو اس وقت سمجھ نہیں آیا کہ کیا کرے . . . کہاں جائے۔ اس دروازے کے پار امراہ کی کالونی تھی۔ وہ اپنی جگہ ساکن کھڑی تھی۔ اندر سے شور و غل کی آوازیں آرہی تھیں لڑکیوں کی چیخ و پکار، افروزہ بیگم کی کرخت بے یقینی میں ڈوبی آواز۔ اسی سہ اس نے دو لیڈی اہلکاروں کو کچن کی طرف آتے دیکھا۔ اسکا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وہ انکے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی، کسی صورت نہیں۔

یہ لوگ اسے یہاں سے لے جاتے، ایک عمارت میں ایک ایسی عمارت جہاں جاتے وقت آپ ملزم ہو سکتے ہیں، لیکن واپسی مجرم کے طور پہ ہوتی ہے۔ کم از اس معاشرے کا مجرم۔ لیڈی اہلکار بس ذرا ہی دور تھیں جب زینیا حاکم نے آگے بڑھ کر خود کو تالے کھولتے ہوئے دیکھا، اسکے ہاتھوں میں لرزش تھی۔

لیکن عزم پختہ تھا۔ وہ دروازے سے باہر نکل آئی، نین تارہ بھی شاید اس دروازے کے بارے میں جانتی تھی۔ لیڈی اہلکاروں کی آمد سے قبل وہ بھی یہیں آگئی تھی۔ دروازے سے بھاگنے کا ارادہ کرتے ہوئے

اس نے بیگ باہر پھینکا اور خود دیوار پہ چڑھنے کی کوشش کرنے لگی لیکن بے سود، لیڈی اہلکار کے ہاتھ میں موجود پستول کے دستے نے اسکے سر کے پچھلے حصے پہ ایک ایسی ضرب ماری کہ اس نشے کی زیادتی میں ڈوبی لڑکی لڑکھڑا کر گری۔ زینیا حاکم جو بھاگ کر گلی کے دہانے پہ پہنچ چکی تھی۔ اس نے اس بھورے گرتے ہوئے بیگ کو دیکھا۔ یہاں واپس مڑنا خطرہ ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ سفید پڑیاں ہزاروں بچوں کی زندگی تباہ کر سکتی تھیں۔ گیلی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے وہ واپس گیٹ تک آئی۔ بیگ سے لوہے کی تاریں نکالتے ہوئے اس نے دروازے کے سوراخ میں باندھ دیں۔ وہیں جہاں تالا لگا کرتا تھا۔ یہ وہی تاریں تھیں جنہیں وہ فوٹو گرافی کے لئے استعمال کیا کرتی تھی۔ ہاتھ بری طرح زخمی ہوئے تھے۔ لیکن بلاخر وہ کامیاب رہی۔ اندر سے شور و غل کی آوازیں آتی تھیں۔ اس بھورے بیگ کو اچک کر کندھے پہ ڈالا اور انہی گلیوں میں کہیں غائب ہو گئی۔ اسلام آباد کی اونچی نیچی ڈھلوانوں والی گلیاں، درختوں کے سائے اور سرمئی سڑکوں والی سیاہ گلیاں۔ رات کے اندھیرے میں اس گلی میں اس نے ایک محل نما گھر دیکھا۔ جسکا عقبی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ زرد بتیاں سارے ماحول کو روشن کئے ہوئے تھیں۔ ملازمین کی فوج یہاں سے وہاں گزرتے ہوئے مختلف کام نبٹا رہی تھیں۔ سیاہ سلاخدار دروازہ کھلا تھا۔ اور ملازمین کام میں مصروف، زینیا نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پولیس اہلکار اس جانب آرہے تھے۔ اس نے بیگ سینے سے لگا لیا

مختلف واہمے، خدشے، اور نہ جانے کتنے خوف و ہراس نے اسکے اندر سر اٹھایا تھا۔ اس سے پہلے وہ نیلی وردی والے افسر اسکے قریب آتے، پھر بغیر کچھ سوچے سمجھے وہ اس گھر کے اندر داخل ہو گئی۔ پولیس نے اسے اندر جاتے دیکھا تھا۔ لیکن زینیا نے اندر جاتے ہوئے ایک چیز نہیں دیکھی تھی۔ اس محل کے باہر لگی تختی جس پہ بڑے بڑے الفاظ میں "کبیر محل" لکھا تھا۔

کیا زندگی ایک نیا باب شروع کرنے والی تھی۔؟ کیا تم اس نئے ایڈوینچر کے لئے تیار ہو۔؟

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ لرزتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ زبان بڑبڑا رہی تھی۔ دل میں زخم پڑ رہے تھے۔ بلاخر کال اٹینڈ ہو گئی تھی۔ زینیا کے لئے ساری دنیا کی گردش رک گئی۔

گوا در پورٹ کے شور و غل میں جہاز کی طرف جاتے قیس کا موبائل ایک بار پھر بجنے لگا تھا۔ مہدی اسکے ساتھ ساتھ قدم اٹھا رہا تھا۔ پریشان چہرہ، زرد رنگت اور قبض ہوتی سانسیں، یہ شہر واقعی اسکے بھائی کو مار رہا تھا۔ چلتے ہوئے قیس ایک جگہ رک گیا۔ اسے یا تو جانا تھا یا پھر رک جانا تھا۔ اس نے موبائل کان سے لگایا۔ وہ رکنے کا فیصلہ لینے والا تھا۔ لیکن اسی لمحے اسے ایک جانب سے محب ملک آتا دکھائی دیا۔ مہدی

چونکہ آگے تھا سو وہ اسے دیکھ نہیں سکا۔ اسی لمحے سارے فیصلے ہو گئے۔ وہ یہاں رک کر اپنے خاندان کے ایک مرد کو کھو نہیں سکتا تھا۔

اسے جانا پڑا کیونکہ یہ ضروری تھا۔

"عبداللہ آجاؤ پلیز۔۔" وہ بھل بھل بہتے آنسوؤں کے درمیان کہہ رہی تھی۔ "میں نے غلط فیصلہ کیا عبداللہ تم میرا کفرٹ ہو باقی ساری دنیا مجھے غیر آرام دہ کرتی ہے۔ تمہارے ساتھ یوز ٹو ہو گئی ہوں۔ کوئی اور میرے لئے عبداللہ نہیں بن سکتا۔ پلیز آجاؤ کوئی وعدہ کوئی پیغام بھیجو۔"

"تم میرے لئے آؤ عبداللہ میں اس قابل ہوں کہ میرے لیے آیا جائے۔ آجاؤ عبداللہ پلیز آجاؤ۔۔" آنسو، جلتا دل، قبض ہوتی سانسیں ان سب کے درمیان وہ اسے پکار رہی تھی۔

قیس فون کان سے لگائے کھڑا تھا۔ آنکھوں کے سامنے منظر بدل بدل رہے تھے۔ وہ جو نہی اسے عبداللہ کہتی تھی۔ وہ واقعی قیس سے عبداللہ بن جاتا اور ماضی کے گرداب میں پھنس جاتا۔ جہاں لاشیں تھیں، خون تھا، کٹے ہوئے اعضاء تھے۔ وہ ساکت اور شل تھا۔ اسی لمحے اس نے مہدی کو اپنی جانب آتے دیکھا۔ وہ محب کو دیکھ چکا تھا اور اب جارحانہ انداز میں اسکی طرف آ رہا تھا۔ انداز میں جنون تھا اور



آنکھوں میں خون سوار تھا۔ قیس کے ساتھ آئے سیکورٹی کے افراد اسے قیس کے اشارے پہ روکے ہوئے تھے۔

"میں تمہارے شہر آیا تھا۔ تمہاری پکار پہ۔ میں نے کبھی تمہیں ڈس اون نہیں کیا۔" وہ رکا آنکھیں موند کر سکون کی سانس لی۔ "تم میری ہو اور ہمیشہ میری رہو گی۔" دوسری جانب کوئی روح میں گھلتی چاشنی کی طرح اسکے الفاظ کو جذب کر رہا تھا

"میں تمہیں کوئی وعدہ کوئی پیغام دیے بغیر جا رہا ہوں، کیونکہ تم سے جو تعلق ہے اس میں محبت کی جگہ نفرت ہے۔ میرے الفاظ تمہیں زندگی دیں گے لیکن میں چاہتا ہوں تم مرو۔ عبداللہ تمہارے لئے اب کبھی نہیں آئے گا۔"

اس نے کال بند کر دی لیکن دل دکھا تھا۔ وہ ان سسکیوں کو ساری زندگی نہیں بھولنے والا تھا۔ مہدی سیکورٹی کے افراد سے خود کو چھڑانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اور اب آنکھوں میں طیش لئے محب کی طرف آ رہا تھا۔ وہ سرد مسکراہٹ کے ساتھ اسے اپنی اور آتے دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے قیس آگے بڑھ آیا۔ زخمی شیر کی طرح آگے بڑھتے مہدی کے عین سامنے رک کر اس نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے۔

"اپنا بھائی یا ایک غیر انسان فیصلہ تمہارا ہے مہدی۔۔" سبز آنکھوں والے مرد کے اوپر گویا کسی نے ٹھنڈا برف پانی ڈال دیا ہو۔ سارا غصہ، تننتا، انتشار دور جا سویا۔ اس آدمی سے اسے محبت تھی۔ خون کا یہ تعلق اسے عزیز تھا۔ کئی لمحے بعد وہ دھیرے دھیرے قدم لیتا اپنے بھائی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ تاثرات نرم پڑ گئے تھے کندھے ڈھیلے۔ وہ نرمی سے اپنے بھائی کے سینے سے لگ گیا۔ دونوں بازو کسی ننھے بچے کی طرح اس کے گرد باندھ لئے۔ شکستگی کا اعتراف تھا یہ۔

قیس نے نہ جانے کیوں اپنے دل کو جلتا محسوس کیا۔ محل کا مضبوط ستون بننا مشکل تھا۔ اسے دل مارنا پڑ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر میں داخل ہوئی تو یوں لگا جیسے کسی اور ہی دنیا میں داخل ہو گئی ہو۔ سبزہ زار کے بیچ میں کھڑا عالیشان محل، شان و شوکت، تمکن اور غرور سے کھڑی کی گئی قلعے کی مانند دیواریں۔ وہ ضرور اس گھر کی خوبصورتی سے محظوظ ہوتی اگر وقت مختلف ہوتا، اس وقت اسے جان کے لالے پڑے تھے۔ عقبی سبزہ زار اس وقت خالی ہو گیا تھا۔ تمام ملازمین ایک پکار پہ دوڑے چلے گئے تھے۔ شاید انکا مالک غصے میں تھا۔

یہاں تک کہ وہ دروازہ تک بند کرنا بھول گئے تھے۔ پولیس اہلکار اب گھر کے اندر داخل ہو رہے تھے اس سے پہلے کے زینیا کو دیکھ لیتے وہ فوراً اندر کی جانب بھاگی۔

لوگوں کی نظروں سے بچتی بچاتی بیگ کو متاع حیات کی طرح سینے سے لگاتی، زخمی چہرے والی زینیا حاکم گھر کے اندر داخل ہو گئی تھی۔ زرد بتیوں میں ڈوبا پر تعیش گھر۔ مضبوط ستون واقعی کسی محل کا پتہ دیتے تھے۔ باہر سے کسی کے بلند آواز میں بات کرنے کی آواز اب تھم گئی تھی۔ اب آواز تھی بھاری بوٹوں کی، پولیس کی نفری کے اندر آنے کی، سائرن کی وہ جو صور جیسا تھا۔ بڑے سے شاہی دربار نما ہال میں کھڑی زینیا ٹکر ٹکر اپنے اطراف میں دیکھ رہی تھی۔ "کیا یہاں کہیں جائے پناہ ملے گی۔؟" اسی لمحے کوئی تن فن کرتا اندر داخل ہوا۔ سیاہ قمیض شلوار میں ملبوس، اونچا لمبا قد، چہرے پہ برہمی، آنکھوں میں سختی، چال میں غرور مگر عین اسی لمحے اسکی آنکھیں سامنے کھڑی لڑکی پہ جا ٹکیں۔ سنہری آنکھیں خوف زدہ تھیں، سیاہ آنکھیں حیران، باہر سے اب پولیس افسر کے بولنے کی آواز آتی تھی۔

"مقصود صاحب پلیز کاپریٹ کریں، ہمیں گھر کی تلاشی لینے دیں۔ پولیس کو ایک اہم سراغ ملا ہے۔"

"مقصود ان سے کچھ کہہ رہے تھے۔ افسر تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ واپس اندر آؤ تو قیس کبیر آنکھوں

میں جتنا ہوا سا تاثر لئے اپنے سامنے کھڑی زینیا حاکم کو دیکھ رہا تھا۔ اسکے ابرو استہفامیہ انداز میں اوپر کو اٹھے۔ "سیریلی؟"

"saverous please"

وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتی، زیر لب بس یہی بڑبڑا سکی۔

(اپنی موت کے وقت ڈمبلڈور کے پروفیسر سنپ سے کہے گئے آخری الفاظ۔ جنگی افادیت، جنکا کرب، صرف اور صرف ایک پوٹر ہیڈ سمجھ سکتا ہے۔)

بھاری بوٹوں کی دھمک اندر کی جانب آنے لگی، زینیا نے تھوک نگلا، بیگ کو سینے میں بھیج لیا۔ اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا اور اسکے لب ایک بار پھر پھڑپھڑائے۔

"Saverous please"

اور بس اب کی بار سیاہ لباس والے شخص نے آگے بڑھ کر اسکی کلائی پکڑی، چند ایک لمحہ اسکی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ زرد بتیوں کی روشنی، محل جیسا دربار اور زخمی لڑکی کی کلائی پکڑے کھڑا قیس کمبیر۔ اگلے چند پلوں میں وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے ساتھ لے کر چل رہا تھا۔ محل کی راہ داریوں میں وہ اسکا ہاتھ

پکڑے ہوئے جانے کن بھول بھلیوں میں گم ہو گیا۔ زینیا پھولتی سانسوں اور دھڑکتے دل سے اسکے ساتھ کھن چتی چلی جا رہی تھی۔ اسکے جسم میں اب جان باقی نہ رہی تھی، یوں لگتا تھا اگر قیس نے اسکی کلائی چھوڑ دی تو وہ ابھی کے ابھی گر جائے گی۔ ایک بڑے سے لکڑی کے نقش و نگار والے دروازے کے قریب رک کر اس نے دروازہ دھکیلا، بھورے بیگ والی لڑکی کو دروازہ پار کروایا، پولیس والے اب شاہی دربار نما ہال میں جمع تھے۔ قیس نے ہر اسماں سی زینیا پہ ایک نظر ڈالی۔

"ہیری پوٹر میں میرا سب سے پسندیدہ جادو جانتی ہو کونسا تھا۔۔؟" زینیا کو اسکی دماغی حالت پہ شبہ ہوا۔ وہ ٹکڑ ٹکڑ اسکا چہرہ دیکھے گئی۔

"دیواروں میں بنتے راستے مجھے فیسینیٹ کرتے تھے۔۔" اس نے خود ہی اضافہ کیا۔ اور واپس مڑ گیا۔ چند لمحوں کا کھیل تھا۔ اور زینیا نے اپنے کندھے بھاری ہوتے محسوس کئے۔ اینکل بوٹ کی ضربیں اب جسم جلا رہی تھیں۔ اس نے اپنے چہرے پہ ہاتھ رکھا۔ اسکا چہرہ گیلا تھا۔ ضرب نے اسکے گوشت تک کو چیر دیا تھا۔ درد اسے شدید درد ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں بے اختیار آنسو بھرتے چلے گئے۔ وہ دروازے سے لگتے ہوئے دھیرے دھیرے نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ بھورے بیگ کو ہنوز سنبھال رکھا تھا آنسو، خون کے ساتھ شامل ہوتے گئے، چہرہ جلنے لگا اور وہ ضبط کئے بیٹھی رہی۔

-ہال میں واپس آؤ تو ہلکے آسمانی رنگ کی وردی پہنے ہوئے پولیس افسر کے چہرے پہ بے بسی بھری  
برہمی تھی۔

سیاہ شلوار قمیض والا مرد تمکنت سے صوفے پہ بیٹھا تھا۔ گھنگھریالے بال ماتھے پہ بکھرے ہوئے تھے۔  
اسکی سنجیدہ آنکھیں سامنے بیٹھے افسر پہ جمی تھیں۔ "یعنی آپ کہہ رہے ہیں کہ میرے گھر میں کوئی لڑکی  
ڈرگز کے ساتھ داخل ہوئی ہے۔؟ آپ کو کیا لگتا ہے میرا گھر مجرمین کی جاہ پناہ ہے۔؟"

"قیس سر . . آپ ہماری بات سمجھنے کی کوشش کریں وہ لڑکی ہماری آنکھوں کے سامنے آپ کے گھر  
میں داخل ہوئی ہے۔ بس آپ ایک دفع ہمیں تلاشی لینے دیں۔ سب کچھ آپ کے سامنے آجائے گا۔ ہم  
بس آپ کی وجہ سے خاموش ہیں ورنہ پولیس کو اختیار ہے کہ اس وقت آپ کے گھر کا چپا چپا چھان  
مارے۔" افسر قیس نے گہری سانس بھری۔ جواب دیئے بغیر وہ اب کال ملا رہا تھا۔ سامنے بیٹھا افسر اسکا  
بس نہیں چلتا تھا کہ اس رئیس زادے کا گلا دبا دے۔

"ایس پی صاحب آپ نے ہمارے گھر مہمان بھیج دیئے اور بتایا بھی نہیں۔۔" وہ مسکراتے ہوئے  
دوسری جانب مخاطب تھا۔

"ایسے کیسے آپ کو کچھ معلوم نہیں ہوگا۔ آپ کے پیٹی بھائی ہیں آپ کی اجازت کے بغیر تو سانس بھی نہ لیں کجا کہ میرے گھر میں گھس آئیں۔۔" وہ رکا سامنے سے کسی کی بات سنی۔ "یعنی آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے گھر تلاشی ہوگی۔؟ ٹھیک ہے پھر میں پولیس کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن اگر تلاشی کے بعد کچھ نہ ملا، تو ڈی آئی جی صاحب میرے دوست کی بھائی ہیں آگے جو کچھ ہوا، پھر میں بھی آپ کی مدد نہیں کر سکوں گا۔" وہ صاف جتا رہا تھا کہ تلاشی کے بغیر جایا جائے، لیکن ابھی کسی ماں نے پولیس والوں سے زیادہ ڈھیٹ کوئی جنا نہیں تھا۔ یہ مخلوق نتائج کی پرواہ کئے بغیر اپنی مرضی کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔

تلاشی شروع کی گئی، پولیس کی بھاری نفری یہاں سے وہاں پھیل گئی۔ مقصود بے چینی سے یہ ساری کارروائی دیکھ رہے تھے۔ البتہ قیس سکون سے بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، موبائل پہ کینڈی کرش کھیل رہا تھا۔ لبوں پہ مسکراہٹ رقصاں تھیں۔ اسے معلوم تھا تلاشی ہوگی، وہ بس اپنا وقت لے رہا تھا۔ اسی پل اس نے پولیس کی نفری کو اوپری منزل کی جانب جاتے دیکھا۔ ایک لمحے کو اسے بے چینی ہوئی تھی۔ ظاہر البتہ اب بھی نہیں کیا۔ اداکاری تو اس آدمی پہ ختم ہوتی تھی۔ سیڑھیوں کے اختتام پہ وہی کمرہ تھا، وہی جہاں زینیا تھی۔ ابھی اس کمرے کا دروازہ کھلتا کہ قیس اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔



"یہ میری اسٹڈی ہے، یہاں کسی کا داخلہ مجھے پسند نہیں ہے۔۔" وہ اپنی جگہ پہ کھڑا کہہ رہا تھا۔ افسر نے گردن موڑ کر سیڑھیوں کی ریلنگ کے پار اسکا چہرہ دیکھا۔

"آپ چاہیں تو ہمیں جوائن کر سکتے ہیں۔۔" کھلے دل سے دی گئی آفر۔ یعنی یہ ڈھیٹ پولیس والا مانے گا نہیں۔ قیس گہری سانس لیتا اوپر چلا آیا۔ بوٹوں کی دھمک، جسم میں اٹھتا درد اور گڈ مڈ ہوتی آوازیں دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھی زینیا حاکم کوئی حرکت نہیں کر پا رہی تھی۔ لاکڈ دروازہ کھولنے کے لئے چابی لائی گئی، وقت سلو موشن میں گزر رہا تھا۔ آوازیں، چابی کا سوراخ میں جانا، زینیا کا ہتھیلی زمین پہ رکھ کر اٹھ کھڑے ہونا، قیس کا سنجیدہ چہرہ، پولیس افسران کے پر امید چہرے اور ان سب کی درمیان دروازہ کھل گیا۔ سامنے وہ منظر تھا جس کے بارے میں کسی نے سوچا بھی نہیں تھا۔ بھلا ایسا کیا؟

اسٹڈی خالی تھی۔ کوری صاف، صفا چٹ، بس ایک خون کا دھبہ تھا جس پہ پولیس کی نظر پڑنے سے پہلے قیس کا بوٹ پڑ گیا تھا۔ شاید وہ خون آلود ہتھیلی زمین پہ رکھ کر اٹھی تھی۔ آسمانی وردی والے افسران کے چہروں پہ برہمی سی اتری، ساتھ بے بسی، کچھ کچھ مایوسی بھی۔ قیس نے بے تاثر نگاہیں اٹھا کر ایس ایچ او کو دیکھا۔

"میرا سارا گھر پلٹ دینے کے بعد کیا اب آپ کو تسلی ہو گئی۔؟ یا پھر کچھ رہتا ہے۔۔؟" گو کہ افسران مطمئن نہیں تھے لیکن پھر بھی اسٹڈی چھان مار لینے کے بعد انکو پلٹنا پڑا۔ معذرت، شکریہ، شک، ان سب کے ساتھ نیلی وردی والے افسران کو الوداع۔

ملازمین میں سے ہی کوئی افسران کو نیچے چھوڑنے گیا تھا۔ قیس بازو پشت پہ باندھے اسٹڈی میں کھڑا تھا۔ وہ نیچے نہیں گیا، اسے یہاں دھبہ ڈھک لینے کو کھڑا ہونا پڑا۔ چند لمحے یونہی کھڑے رہنے کے بعد وہ کتابوں کے ریک کی جانب بڑھ آیا۔ کتابوں کے ریک کو ایک جانب گھمایا تو وہ کھلتا ہی چلا گیا۔ سامنے ہوم سینیما تمہارا منتظر تھا۔ نیلی روشنی میں ڈوبا سینیما، قطار در قطار لگی کرسیاں، انہی میں سے ایک پہ سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھی زینیا حاکم۔ قیس مسکرایا۔ یعنی وہ چالاک تھی۔

"تم نے میری باتیں ڈی کوڈ کر لیں، آئی ایم ایمپریسڈ۔۔" وہ ستائش سے کہتا ہوا آگے آیا۔

"حالانکہ یہ پہیلیاں بجھوانے کا سب سے فضول وقت تھا۔۔" زینیا نے صاف گوئی سے کام لیا۔ "کیا ہوتا اگر میں اس پہیلی کو سمجھ ہی نہ پاتی۔۔؟" وہ اندر سے ڈری ہوئی تھی، ایک غیر مرد کے گھر میں یوں خفیہ کمرے میں بیٹھ کر اسے ڈرنا بھی چاہیے تھا۔ لیکن وہ اپنی باتوں سے دھاک بٹھانا چاہتی تھی۔

"تم ایک پوٹر ہیڈ ہو تم نے کہا تھا، اور اگر ایک پوٹر ہیڈ پہیلی نہ سلجھا سکے۔ تو اسے فینڈم میں رہنے کا حق نہیں۔ میں تمہارا ٹیسٹ لے رہا تھا۔۔" زینیا کچھ نہیں بولی بس تنفر سے اسے دیکھتی رہی۔ قیس مسکراتے ہوئے اس کے قریب رکھی کرسی پہ آکر بیٹھا۔

"مجھے اپنے جیسے زہین لوگ پسند ہیں۔۔" ستائش سے کہا گیا۔

"میں اپنے "جیسی" ہوں۔" جتنا لہجہ۔

"خود پرست لوگ تو اور زیادہ پسند ہیں۔۔" ڈھیٹ پن۔

"میں خود پرست نہیں خود شناس ہوں۔۔" ضدی آواز۔

"حاضر جواب لوگ بہت زیادہ پسند ہیں۔" ہار نہ ماننے کی جستجو۔

"وقت ذرا مختلف ہوتا تو میری حاضر جوابی تمہیں بد تمیزی لگ رہی ہوتی۔۔" بلا کی بے پرواہی۔

"یعنی تم قبول کر رہی ہو تم بد تمیز ہو، اپنے negative traits کا ذکر خود کرنے والے لوگ بھی

پسند ہیں۔" لا جواب کرنے کی صلاحیت۔

"کیا کسی نے تمہیں بتایا ہے کہ تم بحث کرتے ہوئے کتنے برے لگتے ہو۔۔"

قیس مسکرایا، پھر اسکے قریب آکر سرگوشی کی۔۔ "مجھے میرے منہ پہ برا کہنے والے لوگ حد سے زیادہ پسند ہیں۔" یہ تھی شہ مات۔

زنبیا نے گہری سانس لی۔ اور چہرہ موڑ لیا۔ قیس اسکے قریب رکھی ایک کرسی پر سے اٹھا اور دوسری کرسی کھینچ کر اسکے سامنے آکر بیٹھا چہرہ ہتھیلی پہ گرا دیا صاف ظاہر تھا وہ محفوظ ہو رہا تھا۔

"دو دن پہلے تم میری کتاب چرا رہی تھیں، آج تم ڈرگزر کے ایک بیگ کے ساتھ میرے گھر میں پناہ گزین ہو۔ اور پھر تم کہتی ہو تم میرا پیچھا نہیں کر رہیں۔ اور پھر تم کہتی ہو تم صرف ایک فوٹو گرافر ہو۔"

"دو دن پہلے تم پارک میں پستول سمیت آتے ہو، آج تمہارے گھر میں خفیہ دروازے نکل آتے ہیں۔

اور پھر تم کہتے ہو تم ایک اچھے انسان ہو۔؟ تم ایک عام آدمی ہو۔" حساب بے باک ہوا۔

"یہ باتیں منہ پہ مارنے کا ہنر کہاں سے سیکھا ہے۔؟" قیس کو تجسس ہوا۔۔

زنبیا مسکرا کر آگے کو ہوئی، "اپنی پچھلی بات کا جواب گول کر گئے تم، یہ باتیں گھما دینے کا فن کہاں

سے سیکھا۔؟"

اب کے قیس گردن پیچھے پھینک کر زور سے ہنسا تھا۔ ہنستے ہنستے اسکی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے کوئی سائیکلو پیٹھ نہیں، بلکہ معصوم لگتا تھا۔ زینیا بے زاری سے اسے دیکھے گئی۔ یکدم وہ سیدھا ہوا۔ کچھ کہنے کو لب و لکڑے لیکن اسی لمحے اسکی نظر زینیا کی ناک میں پہنی لونگ پہ گئی۔ وہ چونکا تھا۔

"تم شادی شدہ ہو۔؟" اسکی آنکھوں میں حیرت تھی۔

زینیا حیران ہوئی۔ "ہاں لیکن تمہیں کیسے پتہ۔۔؟" قیس نے کندھے اچکائے۔ "تمہاری ناک میں پہنا زیور ساری کہانی سن رہا ہے۔۔"

"تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ آج کل ایسی لونگ فیشن میں ان ہے۔"

"اور تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ تمہارے لہجے سے علاقائی عنصر صاف نمایاں ہے۔ اور علاقائی لوگ ایسے فیشن کو فحاشی سمجھتے ہیں۔۔" بتایا گیا۔

"اب تم چاہتے ہو گے میں تمہاری ذہانت سے مرعوب ہو کر تمہارے مداحوں کی لسٹ میں شامل ہو جاؤں۔؟" وہ تندہی سے بولی۔

قیس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میرے مداحوں کی لسٹ میں معتبر اور معزز لوگ شامل ہوتے ہیں۔ چور اور اسمگلرز نہیں۔" زینیا نے تکان زدہ نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم مجھ سے چاہتے کیا ہو۔۔؟" تھکا تھکا استفسار۔

"دو چیزیں! پہلے مجھے آپ کہو۔ دوسرا سچ۔" قیس نے انگلیوں پہ گنوا یا۔

"پہلے کی توقع چھوڑ دو، دوسرا کیا سچ تمہارے سامنے نہیں ہے۔؟" قیس کی نگاہوں میں سرد پن اتر آیا۔

"تم کہانی گڑھ رہی ہو، اور کہانی کاروں سے بڑا جھوٹا کوئی نہیں ہوتا۔ مجھے وہ حقیقت جانی ہے جو تم چھپا رہی ہو۔"

"کہانی کار کبھی جھوٹ نہیں بولتے، وہ بس حالات کو اپنی مرضی کا رنگ دے دیتے ہیں۔" زینیا نے تصحیح کی تھی۔

"میں اس وقت کہانی کاروں کی تعظیم میں قصیدے لکھنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"کہانی سنی ہے تو کہانی کار کی عزت کرنا سیکھو۔ ورنہ کسی کہانی کار نے تمہیں اپنی کہانی میں ڈال کر بہت بری موت دینی ہے۔" قیس نے ضبط سے گہری سانس لی۔

"کہانی شروع کریں . . . محترمہ ---" آخر میں ایک لفظ کا اضافہ کیا۔ زینیا مسکرائی۔ زخمی چہرے پہ بدی کی ملکہ جیسی مسکراہٹ تھی۔ اور اب وہ کہانی سنانے کو تیار تھی۔

☆☆☆☆☆☆

یہ رات زینیا کے اسلام میں قیام کی سب سے لمبی رات تھی۔ ہوم سینینما کی نیلی روشنی معدوم ہو چکی تھی۔ اب لان کی اجلی سفید بتیاں تھیں، لکڑی کے کام والی کرسیاں اور میز پہ رکھا فرسٹ ایڈ کا باکس، ساتھ ایک ملازمہ کھڑی تھی۔ جو زینیا کے چہرے کا زخم صاف کر رہی تھی۔ قیس ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے اسکے سامنے بیٹھا تھا۔ گہری جانچتی نظروں سے اسے دیکھتا ہوا۔

"یعنی تم کہہ رہی ہو کہ اس رات پارک والا واقعہ اتفاق تھا۔ اور اسکے بعد آج میرے گھر داخل ہونا بھی ایک اتفاق ہے۔ یہ سارے اتفاق آخر تمہارے ساتھ ہی کیوں ہوتے ہیں۔؟" وہ ٹھوڑی تلے ہتھیلی رکھے معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ زینیا نے پاس کھڑی ملازمہ سے روئی کا گولہ لے لیا، قیس نے آنکھوں کے اشارے سے اسے "جاؤ" کہا۔ اور اب وہ دونوں ایک بار پھر روبرو تھے۔



"میں نے ایک ایک حرف سچ کہا ہے۔ میرے الفاظ سچے ہیں۔ تمہیں میرا اعتبار نہیں ہے تو مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔؟" وہ تھکی ہوئی تھی اور کچھ کچھ بے زار بھی۔

"یہ ڈرگزر کا بیگ تمہارے پاس کیا کر رہا ہے۔؟" اس نے سوال بدلا۔

"میں نے کل نین کو کال پہ بات کرتے ہوئے سنا تھا۔ وہ اس بیگ کو کسی یونیورسٹی اور کالج کے ٹرپ میں بھیجنے والی تھی، میں اسے ہزاروں بچوں کی زندگی تباہ کرنے نہیں دے سکتی تھی۔"

"ماشاء اللہ یعنی خدمت خلق کا جذبہ بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔۔"

"یہ خدمت خلق نہیں ہے۔ میں اگر اسے بیگ لے جانے دیتی تو خود کبھی سکون سے نہ رہ سکتی۔ وہ یہی

ڈرگزر اکیڈمی اور یونیورسٹی کے بچوں کو دینے والی تھی۔ اور میں اکیڈمی، یونیورسٹی دونوں جاتی ہوں۔۔" قیس سنجیدگی سے آگے کو ہوا۔

"نام کیا ہے تمہارا اور کرتی کیا ہو۔۔؟" سینے پہ ہاتھ باندھ کر پوچھا گیا۔

"زینیا حاکم۔ اور میں سی ایس ایس کی تیاری کر رہی ہوں۔۔" وہ یہاں اس شخص کے آسرے پہ تھی۔

بتاتی نہ تو کیا کرتی۔ جبکہ قیس اس نام پہ تھم گیا تھا۔ آس پاس ہوا بھی ساکن ہو گئی۔

"تم زینیا حاکم ہو۔؟"

"کیا تمہیں اونچا سنائی دیتا ہے۔؟" وہ کوفت سے بولی۔ قیس اب بھی یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ سارے

الفاظ حلق میں دم توڑ گئے تھے۔ کیا یہ وہی عورت ہے۔؟ ایک لمحے کو اسکے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔

"تم کہاں سے ہو۔؟" وہ با دقت کہہ پایا۔ زینیا نے ایک لمحے کے لئے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

"پنجگور سے۔۔" صاف نرا جھوٹ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا گیا۔

"تمہارے ابا کیا کرتے ہیں۔؟"

"اینٹوں کے بھٹے پہ مزدوری کرنے والوں کے جمعا دار (یونین لیڈر) ہیں۔"

"گھر میں اور کتنے لوگ ہیں۔؟"

"چار بہنیں اور ایک بھائی۔ دادا، دادی، اور تین چچا۔۔" وہ بغیر رکے بغیر جھجھکے جھوٹ پہ جھوٹ گڑھ

رہی تھی۔ وہ کم از کم ایک انجان آدمی کو اپنی شناخت نہیں بتا سکتی تھی۔ بتا دیتی اگر وہ شخص مہدی کبیر

جیسا ہوتا۔ کر سٹل کلیر۔ یہ شخص اسکی وائز مشکوک تھیں۔ قیس کو گویا اب بھی یقین نہ آیا، وہ یقین کر

بھی کیسے لیتا "زینیا" ایک عام نام تھا لیکن وہی سر نیم اونہوں اتفاق ہر دفع نہیں ہوتے۔

"تم یہیں بیٹھو میں آتا ہوں۔۔" وہ غائب دماغی سے کہتے ہوئے اٹھا اور اندر چلا گیا، کچھ وقت بعد وہ اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑا تھا۔ اسکے ہاتھ میں وہی موبائل فون تھا اسکا راز دار۔ وہ جس پہ کئی وائس فلٹرز لگے تھے، لیکن اس بار وہ بغیر فلٹر کے کال ملا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ بالکنی میں سے نظر آتی زینیا کو بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ روئی کو دوا میں ڈبو کر اپنے زخم صاف کر رہی تھی۔ چہرے پہ رندھا ہوا سا تاثر تھا۔ اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ آنکھیں بار بار نمکین پانی سے بھر رہی تھیں۔ کئی بار اس نے لبوں کو سختی سے میچ کر خود کو کراہنے سے روکا تھا۔

یہاں سے دور پہاڑوں کے شہر میں آؤ تو حاکم نواب کے گھر کی بیٹھک میں رکھا ٹیلی فون چنگھاڑتے ہوئے اپنی آواز آدھے گھر کو سنا رہا تھا۔ بشر کی شادی کی دعوت کے سلسلے میں ابا، دادی، بشر اور عروج گھر پہ نہیں تھے۔ امینہ بیگم داڑھ کے درد کی وجہ سے رک گئیں تھیں۔ کونج انکے ساتھ رکی تھی۔ اس وقت اس بجتے ہوئے فون کے سامنے وہ دونوں بت بنی کھڑی تھیں۔

"فون اٹھاؤ کونج یہ عبداللہ ہے۔۔" امینہ بیگم نے حکم دیا۔ کونج نے سہم کر انکو دیکھا تھا۔ چہرے پہ دہشت تھی۔

"خدا کا خوف کریں اماں میں کیا کہوں گی اس سے۔؟ اور عبداللہ مجھے ایک منٹ میں پہچان لے گا۔" وہ ہول کر پیچھے ہوئی۔ اماں اب بے چینی سے چکر کاٹنے لگی تھیں۔ فون مسلسل بج ہی رہا تھا۔

"اماں آپ کیوں پریڈ کر رہی ہیں بشر آجائے گا تو بات کر لے گا۔ بتائیں اس عبداللہ کو کہ اب شادی ہو گئی ہے زینی کی۔ جان چھوڑ دے وہ ہماری۔۔" کونج کے نزدیک یہی سب سے بہتر حل تھا۔

"عبداللہ کو جس دن پتہ لگ گیا کہ زینی کی شادی ہو گئی ہے۔ اس دن دو لاشیں ضرور اٹھیں گی۔ ایک زینی کی دوسری اسکے شوہر کی۔ خدا کے لئے کونج جب تک سچ چھپا رہ سکتا ہے چھپا لو خدا کے لئے عبداللہ سے زینی بن کر بات کر لو۔۔"

انہوں نے باقاعدہ ہاتھ باندھ لئے تھے۔ کونج کرنٹ کھا کر پیچھے کو ہوئی۔ شاکی نظروں سے اپنی ماں کو دیکھا اور پھر اس بجتے فون کو۔ وہ نیم رضا مند تھی۔ خوف زدہ اور پریشان بھی۔ اسکا رواں رواں کانپ رہا تھا۔

بالکنی میں کھڑے قیس کے لئے لائن مل گئی تھی۔ اس نے نیچے جھانک کر دیکھا، زینیا نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر رکھی تھی۔ اور آنکھیں موندی ہوئی۔ یعنی یہ وہ عورت نہیں تھی۔؟

"ہیلو . . . میں عبداللہ بات کر رہا ہوں۔" بھاری گمبھیر آواز پہ کونج کے ہاتھوں سے فون گرتے گرتے بچا تھا۔ وہ مر کر بھی زینیا نہیں بن سکتی تھی۔ "ہیلو . . . کیا تمہیں میری آواز آرہی ہے۔۔؟"

"وہی آواز جسے اب میں سننا نہیں چاہتی۔" قیس ٹھہر گیا۔ لان میں موجود لڑکی یہ کوئی اور تھی اسے یقین آنے لگا۔

"تم چاہو یا نہ چاہو آواز تو تمہیں اب یہی سننی پڑے گی۔" قیس کی سنجیدہ آواز دوسری طرف ابھری کونج نے شکوہ کناں نظروں سے اپنی اماں کو دیکھا۔ یہ کس کے ساتھ پھنسا دیا تھا۔؟

"میں اپنی مرضی کے خلاف نہیں جاتی عبداللہ . . . میرے حوالے سے خوش فہمیاں نہ پالا کرو۔" وہ بالکل اسی طرح جواب دے رہی تھی جیسے پہلی بار۔ قیس کے دل میں طمانیت سی اترنے لگی۔

"تمہارے حوالے سے بہت امیدیں ہیں مجھے بس انکا خیال رکھنا۔" اسکی آواز ہی ایسی تھی کہ کونج کی ہتھیلیاں پسینے بھرنے لگیں۔ لیکن اداکارہ وہ بھی ٹاپ کی تھی۔

"جو دو گے وہی واپس آئے گا۔ تم نے امیدیں توڑ دی تھیں عبداللہ۔" رنج، ملال، کرب ان سب کو ملاؤ پھر یہ زینیا حاکم کی بہن کا لہجہ تھا۔

"تمہارے گلے سننے کے لئے کوئی اور دن طے کریں گے۔ فلحال وقت نہیں۔" اس نے کہہ کر کال کاٹ دی۔ دل میں سکون سا بھر گیا تھا۔ اسکی منگیتر اب بھی وہیں تھی جہاں اسے ہونا چاہیے تھا۔ نام مل جانے کے مطلب یہ نہیں ہوتا کہ انسان مختلف نہیں ہو سکتے۔ وہ اب نیچے چلا آیا۔ رات گہری ہونے لگی تھی اب اس لڑکی کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں تھا۔

واپس آ کر زینیا کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اس نے بات کا آغاز کیا۔ "تمہاری شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے۔؟" بس ایک آخری پھانس دل سے نکل جائے۔

"تین سال ہو گئے۔"

"تمہارا شوہر کہاں ہے۔ اور تمہاری باقی فیملی؟ یعنی سسرال۔؟"

"سسرال والے ساتھ نہیں رہتے۔ میرے یہاں اولاد نہیں ہوئی، میرے شوہر کو دوسری شادی کا کہا گیا تو وہ نہیں مانا اسی لئے گھر سے نکال دیا۔ مجھے یہاں چھوڑا ہے اور شوہر سعودی عرب میں ہوتا ہے۔" اس آخری سطر کے علاوہ اس نے سب جھوٹ کہا تھا۔

قیس چند لمحے سے دیکھتا رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ "آؤ تمہیں چھوڑ آؤں۔" "زینیا جانتی تھی وہ اسے چھوڑنے نہیں بلکہ کسی طرح سے اسکی کہی باتوں کی تصدیق کرنے جا رہا تھا۔ زینیا اسکے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک ہی پل میں اسکا ذہن پلان بنا چکا تھا۔

"کیا میں ہاتھروم استعمال کر سکتی ہوں۔؟ مجھے چہرہ صاف کرنا ہے۔" شائستگی سے اجازت چاہی۔ قیس نے بغور اسے دیکھتے ہوئے۔

"شیور یہ لے جائے گی۔۔" کہا۔ اور پاس کھڑی با ادب ملازمہ کو اشارہ کیا۔ زینیا اسکے ساتھ چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ لوٹی تو چہرے سے پانی کے شفاف قطرے ٹپک رہے تھے۔ آستین گیلی ہو گئی تھیں۔ پلوں پہ اب بھی پانی ٹھہرا تھا۔ بلاشبہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ اتنی کہ اسے دیکھ کر دیکھتے رہنے کو جی چاہے۔ لیکن قیس اسے اس خوبصورتی کی وجہ سے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ مماثلت ڈھونڈ رہا تھا۔ کچھ تھا اسکے اندر جو اپنا اپنا لگتا تھا۔ وہ آج بالکل ویسی تھی جیسے کئی سال قبل اس شہر میں آنے والا قیس . . . .

وہ اس کا lesser version تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆



چند منٹ بعد وہ لمبی، اونچی نیچی ڈھلوانوں والی گلی میں ساتھ چل رہے تھے۔ قیس کچھ کچھ خاموش تھا۔

"کیا مجھے وہاں جانا چاہیے۔؟ کیا پتہ پولیس اب بھی وہیں ہو۔۔۔؟" زینیا کو خدشہ لاحق ہوا۔

"بات ہو گئی ہے میری افروزہ میڈم سے، پولیس جا چکی ہے۔ نین تارہ پکڑی گئی ہے اور ہاسٹل کے باہر

پولیس سیکورٹی کے طور پہ تعینات ہے۔" وہ رکا گردن موڑ کر ساتھ چلتی لڑکی کو دیکھا۔ "گھبراؤ مت تم

نے بے وقوفی ضرور کی ہے۔ لیکن تم اس میس سے نکل آؤ گی۔" وہ دلاسا دے رہا تھا یا طعنہ۔؟

"یہ بے وقوفی نہیں نیکی ہے۔"

"اکیسویں صدی میں نیکی نے اپنا نام بدل لیا ہے۔ وجہ تبدیلی نیکی کے نام پہ ہونے والے تمام فراڈ

۔۔۔" زینیا خاموش رہی۔ کندھے پہ ٹنگے بیگ کو مضبوطی سے چڑھایا۔ وہ گلی کے کنارے سے اب ہاسٹل والی گلی

میں مڑ رہے تھے۔

"اپنے شوہر کو نہیں بتاؤ گی۔؟ آج یہاں کیا کچھ ہوا ہے۔۔۔"

"ضرورت نہیں ہے۔ شک کرے گا۔۔۔" زینیا نے بات ہوا میں اڑائی

"اور اس بیگ کا کیا۔؟ تمہارا گروہ کب آئے گا اسے لینے۔۔۔"

"میرا اگر کوئی گروہ ہوتا تو میں ان سے ریکویسٹ کرتی کہ تمہیں جان سے مار دیں۔۔" وہ جل کر بولی۔

"میں تمہارا محسن ہوں۔ کیا تمہیں زیب دیتا ہے میرے لئے ایسے الفاظ کہو۔۔" اسے صدمہ لگا تھا۔

"کیا تم پلیز تھوڑی دیر کے لئے چپ نہیں ہو سکتے۔؟ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔"

"میں خاموش رہوں۔؟ میرے گھر میں تین کلو ڈرگزر ہے اور تم کہہ رہی ہو میں خاموش رہوں۔۔؟" وہ

سینے پہ ہاتھ رکھ کر بے یقینی سے بولا۔

"وہی ڈرگزر پھانک کر مر جاؤ۔" وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔ جب بولی تو بس اتنا۔ "میں ایک دو دن میں وہ

بیگ لے جاؤں گی اور ساری ڈرگزر جلا دوں گی۔"

"تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ڈسپوز کر دوں گا۔ یہاں نئی ہو اپنے لئے مشکلات

مت بڑھاؤ۔" وہ دھوپ چھاؤں جیسا شخص تھا۔ کبھی جھلسا دیتا تھا، اور کبھی ٹھنڈی چھاؤں دیتا تھا۔

"اول تو مجھے تمہاری بات پہ اعتبار نہیں ہے۔ دوئم تم مجھے اتنی فیور کیوں دے رہے ہو۔؟" ہاسٹل کے

باہر وہ دونوں رک گئے۔ سیاہ شلوار قمیض والا مرد براہ راست اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"یہ شہر . . . جب میں یہاں نیا تھا اس نے مجھ سے بہت کچھ چھینا ہے۔ یہاں کے لوگ مانسٹرز ہیں۔

تم یہاں نئی ہو۔ میرا عکس دکھتا ہے تم میں۔ ایک اور چھوٹے شہر سے آنے والے انسان کو علاقائی تعصب

کا شکار نہیں بننا چاہیے۔ یہ شہر تمہیں بہت کچھ سکھائے گا زینیا حاکم۔ تجربے کم، باتوں سے زیادہ سیکھو

--"

اچانک سے وہ اتنا نرم ہو گیا تھا کہ یقین نہیں آتا تھا۔ حقیقت یہی تھی کہ اس لڑکی میں اسے اپنا بچپلا

ورژن نظر آیا تھا۔ اور جن لوگوں نے اپنی زندگی میں برے تجربے کئے ہوں، وہ اپنے جیسوں کو بچا لیا

کرتے ہیں۔ ایسے لوگ saviors ہوتے ہیں۔

اسی پل دروازے پہ افروزہ بیگم نمودار ہوئیں۔ سخت مضطرب چہرہ، اڑی اڑی سی رنگت زینیا کو دیکھتے ہی

تاثرات میں سختی اتر آئی۔ دروازے پہ کھڑے کھڑے ہی اسے سخت سست سنائیں، جھڑکا، ڈپٹا اور پھر اندر

دفعان ہو جانے کا اشارہ کیا۔ قیس وہیں کھڑا رہا۔ وہ اندر چلی گئی تو افروزہ بیگم کا دھیان قیس پہ جاٹکا۔

"یہ چھوٹے علاقوں کے غریب بچے، جانتے ہو انکو ڈیل کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔؟" وہ قیس کو اچھے سے

جانتی تھی، مہدی کے توسط، اسکے علاوہ کئی بار پارک میں ملاقات بھی ہو چکی تھی۔

"ہم چھوٹے علاقوں سے آنے والے اپنی مرضی سے نہیں آتے۔ کئی بار بھیجا جاتا ہے اور کئی بار لایا جاتا ہے۔ ہمیں ڈیل کرنے کی بجائے اگر قبول کر لیں تو مشکل نہیں ہوتی۔" قیس ایسے انداز میں بولا کہ

افروزہ نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ یہ شخص آج مختلف لگا تھا۔ اسکی آنکھوں میں ماضی بول رہا تھا۔

"تمہارا شکریہ قیس . . . تم نے اپنی دوست کی خاطر ہی سہی ہماری بہت مدد کی ہے۔ پولیس یہاں سے صرف تمہارے تعلقات کی وجہ سے گئی ہے۔" قیس نے سینے پہ ہاتھ رکھا، گویا شکریہ قبول کیا ہو۔

"وہ لڑکی میری دوست نہیں ہے۔ میں اسے جانتا تک نہیں۔ البتہ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ آئی کہاں سے ہے۔ یوں نام نہ جوڑیں افروزہ۔"

"لو تمہیں نہیں بتایا اس نے۔؟ بلوچستان سے آئی ہے۔ تمہارے صوبے سے پنجگور یونیورسٹی سے ٹاپ کیا ہے۔ ویسے (وہ آگے کو ہوئیں شرارت سے اسے دیکھا) تین سال سے شادی شدہ ہے۔ تمہارا کوئی چانس نہیں ہے۔ اوپر سے شوہر ایسا شکی مزاج ہے کہ اللہ معاف کرے۔۔؟" وہ بولنے پہ آئیں تو بولتی چلی گئیں۔

قیس مسکرایا تھا۔ "خدا کا خوف کریں میں منگنی شدہ ہوں۔ اور کسی عورت کے بارے میں سوچنے کا وقت نہیں ہے میرے پاس۔ خیر وہ میرے صوبے سے ہے۔ بس یوں سمجھ لیں اسی لئے مدد کی ہے۔"

چند لمحے مزید وہیں کھڑا رہا۔ مختلف معاملات کے بارے میں بات کرتا ہوا۔ پھر اس نے جانے کو اپنے قدم موڑے۔ اسی لمحے اسے بالکنی میں کوئی نظر آیا۔ ساتھ ساتھ ہلکی آواز بھی آتی تھی۔

"میں کسی مسئلے میں پھنس گئی تھی ورنہ کیوں نہ اٹھاتی تمہارا فون۔؟ . . . . تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ ہاں تو اگر شوہر ہو تو سر پہ چڑھ جاؤ گے۔؟" بالکنی میں کھڑی زینیا یہاں سے وہاں چکر لگاتے برہمی سے کہہ رہی تھی۔ قیس نے چند لمحے رک کر اسے دیکھا۔ اور پھر آگے بڑھ گیا۔ ناموں کے ایک ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ انسان ایک ہی ہو۔ واپس گھر کی طرف جاتے ہوئے اسکا دل ہلکا تھا۔ ہوا سے بھی ہلکا۔

یہاں سے دبے دبے قدم لیتے ہوئے بالکنی میں آؤ تو زینیا نے قیس کے جاتے ہی وہ جعلی کال بھی ختم کر دی تھی۔ تھکے تھکے قدم لیتی اب وہ بیڈ کی طرف چلی آئی اور پھر ڈھے سی گئی۔ سارا بدن تھکن سے چور تھا۔ کمرہ بکھرا ہوا۔ اپنی بربادی کی تمام داستان سناتا ہوا۔ اسی لمحے اسکے کمرے کا دروازہ ایک دھاڑ سے کھلا۔ شیزل سیمسن تنے ہوئے تاثرات لیے اندر آئی۔ زینیا اسے دیکھتے ہوئے چند منٹ پیچھے چلی گئی۔ سفید

بتیوں والے محل کا ہاتھ روم۔ زخمی چہرے والی لڑکی نے موبائل کان سے لگا رکھا تھا۔ واش بیسن کا نل کھول کر اس نے پانی کی دھار بہنے دی۔ سلسلہ مل گیا تھا۔ سامنے سے کچھ کہا گیا، لیکن بغیر کچھ سنے اس نے اپنی کہی۔

"میں ایک آدمی کے ساتھ ہاسٹل واپس آؤں گی۔ وہ میری ڈیٹیل پوچھنے کی کوشش کرے گا۔ یاد رکھو میں پنجگور سے ہوں، اور میری شادی کو تین سال ہو چکے ہیں۔ میرا شوہر شکی مزاج ہے۔" وہ چھوٹے ہی بولی جبکہ دوسری جانب شیزل کی تیوری چڑھ گئی تھی۔

"میں تم پہ یہ احسان کیوں کروں گی۔؟ مس زینم۔" آخر الفاظ چبا چبا کر ادا کئے۔

"کیونکہ میں بھی وائب پہ یقین رکھتی ہوں، اور تمہاری وائب کہتی ہے کہ ان دنوں تم کنگال ہو۔ میری الماری میں اسٹراپیری ملک کا پورا کاٹن ہے۔ اور کالڈ کافی کے تین پیکیٹ۔ فیصلہ تمہارا ہے۔۔۔" اس نے کھٹ سے کال کاٹ دی۔ حال میں کھڑی شیزل تندہی سے اسے گھور رہی تھی۔

"یہ کیا حرکت تھی زینیا۔؟ تم نے مجھ سے جھوٹ بلوایا۔ آنٹی کو میں نے کس طرح سے منایا ہے تم جانتی ہو۔؟" زینیا نے جواب نہیں دیا۔ بس یونہی پڑی رہی۔

"تم نے نین تارہ سے جھگڑا کیا۔ مجھے لڑکیوں نے بتایا ہے۔ تم گھر سے بھاگ گئیں، تم نے زینیا تم نے وہ بیگ اب بھی اپنے پاس رکھا ہوا تم . . . . ."

"الماری میں رکھی ہیں تمہاری چیزیں لے لو اور پلیز جاؤ۔۔" وہ بے زاری سے بڑبڑائی۔ اب کے شیزل کے صبر کی حد ہو چکی تھی۔ وہ بھری شیرنی کی طرح اسکے قریب آئی اور بازو سے کھینچ کر سیدھا کر کے بٹھایا۔ زینیا کا بازو بری طرح جلنے لگا۔

"کیا بد تمیزی ہے یہ۔۔؟" زینیا غر آئی تھی۔ شیزل البتہ پر سکون تھی سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھتی ہوئی۔ "تمہیں لگتا ہے میں ہر دفع تمہاری مدد صرف اس لئے کرتی ہوں کیونکہ مجھے تم سے کچھ چاہیے۔؟" زینیا جواب دیے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

"میں شیزل سیمسن صرف اپنے لئے جیتی ہوں، اپنی مدد کرتی ہوں، اپنے ساتھ خوش رہتی ہوں۔ لیکن اگر یہی سب میں کسی اور کے لئے کرنا چاہوں تو سمجھ جاؤ میرے لئے وہ اہم بن چکا ہے۔۔" سرگوشی کر کے وہ پیچھے کو ہوئی۔ اسے غصہ آ رہا تھا حد سے زیادہ غصہ۔ میز پہ رکھے جگ سے پانی کا گلاس بھر کر اس



نے غٹاٹ پی لیا، پھر زینیا نے اسے بیڈ کی پائنٹی کے قریب بیٹھتے دیکھا، آنکھیں بند کرتے ہوئے وہ گہرے سانس لے رہی تھی۔

ایک سانس . . . "کالم ڈاؤن شیزل۔"

دو سانس . . . "تمہیں تمہارے اعصاب پہ قابو ہے۔۔"

تین سانس . . . "تمہارے جذبات تم پہ حاوی نہیں ہو سکتے انکی اتنی جرات۔؟"

چوتھی سانس پہ اس نے آنکھیں پٹ سے کھول دیں۔ اب وہ پر سکون تھی۔ چہرہ شانت آنکھیں شانت۔ زینیا بے تاثر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم نے ہم سے جھوٹ بلوایا زینیا . . . مجھے جاننے کا حق ہے۔ کیوں۔؟"

"مجھے نہیں پتہ۔ بس مجھے وہ شخص غیر آرام دہ کر رہا تھا۔ وہ کچھ مشکوک تھا۔ وہ مجھے دیکھ رہا تھا شاید

شناسائی کی کوئی رمق۔ مجھے اس سے پیچھا چھڑانا تھا۔ اور مجھے جو بہتر لگا وہ کر دیا۔ میں نے یہی بات آج

یونیورسٹی میں بھی کئی لڑکوں سے کہی ہے۔ میرا چہرہ میرے لئے مشکلات پیدا کر رہا ہے۔۔" اس نے

تفصیلی جواب دیا۔ اور سچا جواب۔

"اور اب آنٹی کو کیا کہو گی۔۔؟"

"آنٹی سے صبح بات ہوگی، صبح ہونے میں چھ گھنٹے ہیں تب تک میں چھ ہزار جھوٹ تیار کر سکتی ہوں۔" وہ واپس لیٹ گئی تھی۔ شیزل کئی لمحات تک یو نہی اسے دیکھتی رہی پھر جب بولی تو اسکی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔

"تم کیا کر رہی ہو زینیا۔۔؟" آواز میں ہلکا سا خوف تھا۔

"میرے بھائی نے کہا تھا یہ بڑا شہر ہے یہاں بڑے جانور ہیں۔ میں ان جانوروں سے لڑنے کے لئے اپنے ناخن تیز کر رہی ہوں۔ کوئی مجھے کھا جائے اس سے پہلے مجھے انکو نوچنا آنا چاہیے۔۔"

"ہم صبح بات کریں گے۔۔" شیزل کہتے ہوئے اٹھی اور الماری کی طرف بڑھ گئی۔ پٹ واکنے، اسٹرابیری ملک کے کاٹن، کالڈ کافی ہاتھوں میں لی اور باہر کی جانب قدم بڑھائے۔

"کوئی کچھ دیر قبل کہہ رہا تھا کہ اسے چیزوں سے غرض نہیں۔۔" زینیا نے طنز کیا۔

"چیزیں ہوتیں تو واقعی غرض نہ ہوتی اسٹرابیری ملک اور کافی تو سانس ہیں۔۔" وہ ہاتھ بھرے ہوئے نکل گئی۔ زینیا نے گہری سانس لی اور آنکھیں بند کر لیں۔

اسے سکون کی نیند چاہیے تھی۔ اس سارے وقت میں کم از کم نیند پہ اسکا حق تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

## اگلی صبح

اگلے دن صبح بوجھل سی تھی۔ زینیا حاکم صبح سویرے یونیورسٹی کے لئے نکل گئی تھی۔ آنٹی نہ جانے کن کن لوگوں سے مل رہی تھیں۔ انہیں جلد از جلد اس سارے میس سے نکلنا تھا۔ خوف و ہراس تھا کہ کیا کئی لڑکیاں منہ اندھیرے اپنے گھروں کو لوٹ گئیں۔ یونیورسٹی کی بھیڑ آج معمول سے ہٹ کر تھی۔ وہ سٹوڈنٹس جو سالہا سال شکل تک نہیں دکھاتے آج وہ بھی کتابیں سینے سے لگائے مڑ گشتی کرتے نظر آ رہے تھے۔ آڈیٹوریم کی جانب آؤ تو کھچا کھچ بھر ہوا تھا۔ اور پھر یونہی چلتے پھرتے زینیا کے کانوں میں خبر پڑی کہ آج مہدی کمبیر سپیج دینے والے ہیں۔ لوگ اسکے الفاظ سننے کے لئے دیوانے ہوئے جا رہے تھے۔ آج زینیا کی کلاس مارنگ ٹائم تھی۔ وہ جس وقت پہلی کلاس لے کر باہر نکلی اسی وقت مہدی کمبیر چند لوگوں کے جھرمٹ میں اسے اپنے قریب آتا دکھائی دیا۔ اس نے سفید گول گلے والی شرٹ کے اوپر ڈیم جیکٹ پہن رکھا تھا۔ کارگو پینٹس کے ساتھ سفید اسٹیکرز اور بال اچھے سے سیٹ کئے وہ معمولی

چہرے والا مرد آج واقعتاً اچھا لگ رہا تھا۔ وہ چار لوگوں کے درمیان اسکے قریب نہیں رک سکتا تھا۔ سو موبائل نکال لیا، کھٹاکٹ میسج ٹائپ کیا اور خود سے ذرا فاصلے پہ کھڑی لڑکی کے نمبر پہ روانہ کر دیا۔

"میری اسپیج سننے آڈیٹوریم میں ضرور آئیے گا سرکار۔۔" زینیا نے میسج پڑھا لیکن جواب نہیں لکھا، وہ اسی طرح لوگوں کے جھرمٹ میں گھرا اسکے ساتھ سے گزر گیا۔ اسی پل اسکی نظر زینیا کے چہرے کے زخم پہ پڑی۔ اسکی آنکھیں تفکر سے سکڑیں لیکن وہ پھر بھی اسکے پاس نہیں رکا۔ آج وہ موضوع محفل تھا، یعنی وہ جس کے ساتھ رکتا وہ بھی موضوع بنتا۔ کئی پل بعد آڈیٹوریم میں عقبی نشستوں میں سے ایک پہ بیٹھی زینیا حاکم۔ پروگرام کی ابتدا کسی نئے اسپیکر سے کروائی گئی تھی۔ مہدی اسپیج کے سامنے والی کرسیوں پہ بیٹھا تھا۔ اس نے ایک دو بار گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔ پھر کچھ پل بعد زینیا نے اپنے موبائل کی سکرین جلتی بجھتی دیکھی۔ مہدی کبیر ایک نئے نمبر سے میسج کر رہا تھا وہ پیچھے جا کر بیٹھ سکتا تھا لیکن۔ ایک حد تھی جسے وہ قائم رکھے ہوئے تھا۔

"تمہارے چہرے پہ کیا ہوا ہے۔؟" سکرین پہ لکھے الفاظ متفکر تھے۔

"حادثہ ہو گیا تھا۔۔ کیا آپ نہیں جانتے۔؟" پیغام کی ٹون بجی تو مہدی نے فوراً موبائل دیکھا۔

"میں کل مری میں تھا آج صبح واپس آیا ہوں، کیا ہو تھا۔؟ اب کیسی ہو۔؟"

"میں اتنی حساس نہیں ہوں جتنی آپ بنا رہے ہیں۔ خود کو دیکھیں بازو پہ پٹی بندھی ہے، گولی لگی ہے اور زخم ہرے ہیں ڈر نہیں لگتا اس ہجوم سے۔" مہدی مسکرایا۔ آس پاس کے لوگوں اور شور کو چھوڑ کر وہ سر جھکائے تیز تیز ٹائپ کر رہا تھا۔

"مہدی کو لوگ ڈراتے نہیں فیسینیٹ کرتے ہیں۔۔" یک سٹری پیغام۔ زینیا ابھی کچھ لکھتی کہ رک گئی۔ اسٹیج پہ مہدی کے نام کی پکار ہوئی تھی۔ وہ اپنے ازلی اعتماد اور آنکھوں میں چمک کے ساتھ اسٹیج کی طرف جا رہا تھا۔ جیسے یہی تو اسکا پسندیدہ کام ہو۔ جیسے وہ لوگوں کے لئے ہی بنا ہو۔

اسٹیج پہ کھڑے ہو کر اس نے مسکرا کر لوگوں کو دیکھا۔ اس کے اعزاز میں تالیاں پیٹی گئیں، زور زور سے اسکا نام چلایا گیا، کئی لوگ اسے عقیدت اور محبت سے دیکھ رہے تھے۔ زینیا کو اندازہ ہوا کہ وہ کافی مشہور تھا۔

"آج ہم بات کریں گے باؤنڈریز یعنی حدود پہ، حدود کیا ہوتی ہیں ہر رشتے میں کس حد تک ضروری ہوتی ہیں اور انکے فائدے کیا ہوتے ہیں۔ تو آپ سب مجھے سننے کو تیار ہیں۔؟" سنجیدگی سے پوچھا، جوش اشتیاق، والہانہ پن سب گڈ مڈ ہونے لگے۔

"سب سے پہلے میں آپ کو بتا دوں کہ حدود کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ وہ اسٹیج پہ یہاں سے وہاں چلتے لوگوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہا تھا۔۔"

"حدود کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ کو کسی انسان کی کوئی بات بری لگے، اسکی کسی عادت سے آپ بے زار ہوں، یا پھر اپنے بارے میں کی جانے والی کوئی بات پسند نہ ہو تو اس انسان کو روکا کیسے جائے۔؟ ہم سب سنتے ہیں کہ باؤنڈری بناؤ باؤنڈری بناؤ لیکن آخر یہ باؤنڈری ہے کیا چیز۔؟" اس نے چہروں پہ نا سمجھی سجائے لوگوں کو دیکھا۔

(ہاسٹل کے کمرے میں بیٹھی زینیا حاکم کے لیپ ٹاپ کی سکرین پہ کوئج کا بجھا بجھا سا چہرہ تھا۔ زینیا برہمی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "تم نے فریجہ اور فرحین سے دوستی کر لی۔؟ اور ان دونوں نے تمہاری تصاویر

گروپ میں بھیج دیں۔ اب مجھے بتاؤ اسلام آباد سے جوتوں کا ہار بھیجوں یا پھر یہاں بیٹھ کر میں اپنا سر پھاڑ دوں۔ تمہیں آخر ضرورت کیا تھی ان دونوں سے دوبارہ دوستی کرنے کی۔؟"

"یار زینی دوستی کرنا گناہ تو نہیں اور میں نے انکو معاف کر دیا . . . بات ختم ہو گئی اب بس بھی کر دو۔" کوچ نے بات ہوا میں اڑانی چاہی لیکن شاید زینیا ایسا نہیں چاہتی تھی۔ "اچھا ٹھیک ہے ٹھیک ہے تم بتاؤ میں کیا کرتی۔؟ معاف نہ کرتی اسے ہمارے نبی نے کیا سکھایا ہے۔؟ معافی درگزر کیا انکا پیغام چھوڑ دیں۔؟"

"میں دین کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی لیکن میں معافی اور حدود کا فرق جانتی ہوں۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ معاف مت کرو میں نے یہ کہا ہے کہ معافی کے بعد پہلے والی جگہ نہ دو۔ یہ حدود ہوتی ہیں کوچ ایک دفع ہرٹ کرنے والا بار بار کرے گا۔ اس لئے ایک لکیر کھینچ کر اسے بتاؤ کہ اس کے پار آنا برا ہوگا۔"

"خدا کا واسطہ ہے زینی، میں کوچ حاکم ہوں۔ میرے لئے کچھ بھی اتنا آسان نہیں جتنا تمہیں لگتا ہے۔"

"۔"



"حدود کیا ہوتی ہیں۔؟ کیا ایک لکیر۔؟ ایک جھگڑا۔؟ تیز ترش لہجے میں سمجھائی گئی ایک بات۔؟ اونہوں۔

حدود نرمی سے طے کی جاتی ہیں۔ آپ کو نہیں پسند آپ کے دوست آپ کے خاندان یا آپ کے کسی عزیز کے بارے میں غلط بات کہیں تو انہیں آرام اور تحمل سے بتائیں کہ آج کے بعد یہ بات نہ کی جائے، ورنہ وہ آپ کو کھو دیں گے۔ آپ کو نہیں پسند کوئی آپ کے قد، عمر، رنگت، بال یا پھر کسی انسکیورٹی کے بارے میں بات کریں، مذاق اڑائیں تو انہیں روکیں آج بھی دیر نہیں ہوئی۔ اپنے لئے ایک حد قائم کرنے میں کبھی دیر نہیں ہوتی۔"

("اوہ . . یعنی بھابھی اپنا سارا کام تم سے کرواتی ہے۔ کیوں کیا تم اسکی نوکر لگی ہو۔؟ گھر اسکا ہے ناں، بشر شوہر اسکا ہے کام خود کیوں نہیں کرتی۔؟" کوئج ہاتھ اٹھا اٹھا کر اسے آہستہ بات کرنے کو کہہ رہی تھی۔ لیکن وہ زینیا ہی کیا جو کسی کی سن لے۔

"آئندہ سے تم اسکے حصے کے کام نہیں کرو گی۔ اسے میکے جانا ہے تو اپنا حصہ دے پھر جائے۔" زینیا کا لہجہ حتمی تھا۔ "اگر میں نے دوبارہ سنا کہ اس نے اپنے کام بھی تمہارے سر تھوپ دیئے ہیں تو خدا کی قسم مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

کونج کے چہرے پہ رندھا ہوا تاثر تھا۔ "وہ مجھ سے کام نہیں کرواتی۔ وہ بیچاری تو بس بیمار رہتی ہے اور

اسی وجہ سے میں خود اسے آفر کر دیتی ہوں۔ تم بات کو کہاں سے کہاں لے گئی ہو۔؟"

زینیا نے سکرین کے پار اپنی بہن کو دیکھا۔ "عروج وہی لڑکی ہے جو اپنی ماں کے گھر میں سارے کام

خود کرتی تھی۔ وہ بیمار نہیں ہے کونج مبارک ہو تمہیں استعمال کرنے والے لوگوں میں ایک اور اضافہ

اور لعنت ہو کہ تم اب تک سمجھ نہیں سکیں۔" اسکا لہجہ سخت تھا۔ کونج آنکھوں میں نمی لئے چند پل اسے

دیکھتی رہی اور پھر کھٹ سے سکرین گرا دی۔

زینیا کے تو سر پہ لگی تلوؤں پہ بھجی۔)

"ہم باؤنڈریز نہ بنا کر لوگوں کو اپنا فائدہ اٹھانے دیتے ہیں۔ جیسے کہ اب ایک لڑکی کی نئی نئی شادی ہوتی

ہے تب وہ اپنی دیورانی، نند اور ساس کے کام بھی کبھی کبھار خود کرنے لگ جاتی ہے۔ اسکا یہ عمل اسکے

سسرال والوں کی امیدیں بڑھا دیتا ہے۔ چند دن بعد وہ ان کاموں سے تھک جاتی ہے اور پھر اسکے

سسرال والوں کو لگتا ہے کہ وہ بدل گئی ہے۔ یوں گھر کا ماحول خراب ہونا شروع ہوتا ہے۔ اسی لئے باؤ

نڈریز پہلے دن سے بنا لینی چاہیں۔

جب آپ کسی تعلق میں نئے نئے جاتے ہیں تو اگلے انسان کی ہر بات مانتے چلے جاتے ہیں۔ وہ آپ کو کہے گا فلاں کے گھر نہیں جانا آپ اسے پوڈیسیونس سمجھ کہ مان لیں گی، کچھ عرصہ بعد یہی سب پابندی لگے گا۔ اور تعلق میں دراڑ پڑنا شروع۔ اپنی حدود آپ کو ہمیشہ معلوم ہوتی ہیں آپ جانتے ہیں آپ نے کیا کرنا ہے، کیا چیز آپ کو تھکا رہی ہے اور کیا ہے جس کے ساتھ آپ آرام دہ رہ سکیں گے۔۔۔"

(کال بند کر کے وہ جونہی مڑی شیزل اسکے سامنے ہی کھڑی تھی۔ سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی۔ ہاتھ میں کالڈ کافی کا کپ، بال آج بریڈ میں بندھے تھے۔ "اس طرح ڈیل کرو گی تو بچی باؤنڈری نہیں بنائے گی۔ بلکہ باغی بنے گی۔"

"تو پھر کیا کروں رہنمائی فرمائیں۔ اسے باؤنڈری بنانا سکھا رہی ہوں۔ آج سیکھ لے گی تو کل کام آئے گا۔"

"اسکے پہلے تمہیں سیکھنے کی ضرورت ہے۔ مجھے لک مت دو۔ تمہیں باؤنڈری پتہ ہونی چاہیے کہ ایک سترہ سالہ لڑکی کو کیسے ڈیل کرنا ہے۔ آج اگر اسے بتا رہی ہو کہ اس نے فلاں غلطی سے کتنا نقصان اٹھایا تو

کل اسے یہ بتاؤ کہ فلاں قدم سے کتنا فائدہ اٹھایا۔ ڈانٹتی رہو گی تو ڈھیٹ بن جائے گی۔ بلیم کرو گی تو عادی ہو جائے گی۔ لیکن اگر واقعی سمجھاؤ سمجھاؤ گی تو سمجھ جائے گی۔"

"وہ میری بہن ہے میں جانتی ہوں اسکے لئے کیا غلط ہے کیا سہی۔ تم تو سیدھا چاہتی ہو کہ میں اسے کنویں میں دھکا دے دوں۔۔"

"بلکل میں یہی چاہتی ہوں۔"

"وہ میری بہن ہے میری اولاد جیسی۔ میں اسے گرنے دوں۔؟" طنز تھا یہ۔ یا شاید بے یقینی۔

"بلکل . . . اسے گرنے دو تاکہ اسے پتہ چلے اٹھنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ اسے کنویں میں چھلانگ لگانے

دو تاکہ اسے پتہ چلے رسی کے ذریعے اوپر آنے سے ہاتھوں میں کیسے زخم پڑتے ہیں۔"

"تم نے اسے خوف زدہ کیا ہوا ہے۔ مضبوط بننا اسکے لئے بلا بننے جیسا ہے۔ اور وہ خود کو پری سمجھتی ہے

"۔

"مجھے پریوں سے نفرت ہے کیونکہ وہ غیر حقیقی، بے یقینی، اور ضرورت سے زیادہ اچھی ہوتی ہیں۔"

ظاہر ہے اب ایک چڑیل تو یہی کہے گی۔ لبوں میں دبا اسٹرا، آنکھوں میں بے پرواہی اور شیزل سیمسن یہ جا وہ جا۔)

"باؤنڈری بنانے کا کوئی الگ سے وقت نہیں آتا۔ اگر آپ کو لگتا ہے شروعاتی وقتوں میں آپ حدود نہیں بنا سکے تو اب بنائیں۔ کچھ کام ابھی اور اسی وقت کئے جاتے ہیں۔ یہ باؤنڈریز سب سے پہلے تو سامنے والے کو حیرت زدہ کریں گی، پھر مشتعل اور اسکے بعد دو چیزیں ہوں گی۔ اگر سامنے والے کو آپ کی پرواہ ہوگی اور وہ آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوگا تو اپنا رویہ بدل دے گا ورنہ وہ اس سے بھی زیادہ برا پیش آنے لگے گا۔"

لیکن کیا ضروری نہیں ہے کہ ہم اپنے ساتھ موجود انسان کی حقیقت جان لیں . . . ہمیں معلوم ہو سکے کہ ہمارے لئے اسکے جذبات کیا ہیں، تعلق میں ہماری اہمیت کیا ہے۔ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے بلی آپ کی جان بخشی نہیں کرے گی۔ آنکھیں کھول کر سامنے دیکھیں، پھر اگر جان گئی بھی تو کیا پرواہ۔ کم از کم آپ نے کوشش تو کی . . . "

(شیزل کے جانے کے بعد وہ سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھی تھی۔ جب تک وہ اپنی بہن کے ساتھ تھی۔ تب تک سب اچھا تھا۔ کم از کم اسکے سامنے تھا۔ اس وقت اسے واقعتاً اپنی چھوٹی بہن کی فکر ہوئی۔ فون کی آہٹ پہ اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ بالاج کی واٹس ایپ کال آ رہی تھی۔ جلتی آنکھیں موندتے ہوئے خود کو بیڈ پہ گرا دیا۔ اور موبائل کان سے لگایا۔

"کیسی ہو۔؟ کیا کر رہی ہو۔؟" دلکش لہجہ اسکی سماعتوں سے ٹکرایا، زینیا نے سکون محسوس کیا۔ کوئی تو ہو جو تپتی دھوپ میں سائبان بنے۔

"میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں۔؟ کام کیسا جا رہا ہے۔؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ اور تمہیں میرے سے زیادہ کام کی فکر نہیں ہے۔؟ کل رات بھی یہی پوچھا تھا اور اب بھی تمہیں کیا لگتا ہے میں یہاں فارغ بیٹھا ہوں۔؟" وہ چڑھ ہی دوڑا تھا۔

"میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا بالاج۔ بالاج بڑھائیں مت۔ آپ اپنی ورک پلےس کا غصہ مجھ پہ مت اتارا کریں۔" حد قائم کی گئی، چاہے کچھ دیر سے ہی سہی۔

چند لمحے وہ مزید بولتا رہا اور زینیا جواب دیتی رہی۔ کچھ وقت بعد وہ نرم پڑ چکا تھا۔ جب زینیا نے نرمی سے بات کا آغاز کیا۔ "میں کل ایک پرائیویٹ ایجنسی میں انٹرویو دینے جا رہی ہوں، صرف شادیوں میں فوٹو گرافی کرنی ہوگی اور بس۔ میں آپ کو ڈیٹیلز بھیجتی ہوں۔"

"پڑھنے گئی ہو بس پڑھائی پہ دھیان دو ناں، ضرورت کیا ہے اس فوٹو گرافی کی۔؟ خواہ مخواہ مردوں کے بیچ اٹھنا بیٹھنا۔" وہ واضح طور پہ غیر آرام دہ ہوا تھا۔

"آپ کو اگر شادی کرنی تھی تو خاندان میں دس اور لڑکیاں تھیں، جنکو کیریئر نہیں گھر بنانا تھا۔ ان کو کیوں نہیں منتخب کیا۔؟" لہجہ دھیما تھا مگر مضبوط۔ "میں ہر روز ایک ہی بات آپ کو بار بار نہیں سمجھا سکتی۔ اور نہ مجھ سے کہا کریں کہ میں کیریئر چھوڑ دوں۔ میں رشتہ نبھا رہی ہوں بالاج کوشش آپ بھی کریں۔ یک طرفہ کوششوں میں انسان رہ جاتے ہیں تعلق ختم ہو جاتے ہیں۔"

"تم نے آخر اسلام آباد ہی کیوں آنا تھا۔؟" وہ ایک پل کو رکا فون پہ اسکی گرفت سخت ہوئی۔ "کیا اس لئے کہ یہ عبداللہ کا شہر ہے۔" زینیا کی گرفت اس رشتے پہ ڈھیلی پڑ گئی۔ دل پہ کسی نے کھینچ کر تھپڑ مارا تھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ بالاج اسے ماضی کے طعنے دے رہا تھا۔ کیا واقعی؟



"تم کہتی ہو میں انسکیور ہو رہا ہوں۔ لیکن کیا مجھے نہیں ہونا چاہیے۔؟ تمہارے دل میں آج بھی عبداللہ ہے، اسی لئے تو تم اسکے شہر آئی ہو۔ تم اسلام آباد عبداللہ کے لئے آئی ہو ناں۔؟ میں . . . " وہ اگلا کوئی لفظ نہیں سن سکی، سماعتوں پہ پردے پڑ گئے۔ آنکھوں میں اب تک بے یقینی تھی، شک تھا۔ رفتہ رفتہ کنارے غم ہونے لگے، پھر ایک سیل سا رواں ہوا۔ لیکن وہ بالاج کو کچھ کہہ نہ سکی۔ پہلا طعنہ، پہلی گالی، پہلی تھپڑ عورت کے لئے ہمیشہ بے یقینی ہوتی ہے۔ بالاج وہ نہیں تھا جو دکھتا تھا۔ حقیقت مختلف تھی۔

(۔

"باؤنڈریز اگر کام نہ بھی کریں تو آپ کو چاہئے کہ انہیں بناتے رہیں۔ ہر کوئی انکا احترام نہیں کرے گا، ہر کوئی انکو سراہے گا نہیں۔ لیکن اس ہر کوئی میں کوئی ایک ہو گا جو انکو سمجھے گا۔ جو آپ کے ساتھ کو ضروری سمجھے گا۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہوا تب بھی باؤنڈریز بنائیں کیونکہ یہ آپ کی sanity کے لئے ضروری ہیں، آپ کے وقار اور عزت کے لئے۔ باؤنڈری آپ کو مستقبل کے غم اور ماضی کے پچھتاؤں سے بچا لیتی ہے۔ حدود قائم کریں اور با وقار رہیں۔ حدود قائم کرنے کا اپنا سفر مجھ سے شیئر کریں۔ میری ای میل یا انسٹا گرام پہ۔ ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا۔" اسکی آخری بات پہ آڈیو ریم میں ہنسی گونجی

تھی۔ سبز متلاشی آنکھوں نے عقبی نشستوں کی جانب دیکھا وہاں سے زینیا اٹھ کر جا رہی تھی۔ چہرے پہ ہلکی ہلکی فکر تھی۔

مہدی اچھنبے سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆

آڈیٹوریم سے نکل کر باہر کھلی فضاؤں میں آؤ تو زینیا حاکم کی متلاشی نظریں کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ بار بار اپنے موبائل پہ نظر ڈال کر ایک سطری پیغام پہ نظر دوڑاتی تھی۔ "یونیورسٹی کے گیٹ پہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ بالاج"

وہ تو ملک میں نہیں تھا۔ اور اگر تھا تو اب تک اس سے ملا کیوں نہیں۔؟ کیا سچ ہے کیا جھوٹ اسکی کھوج میں دیوانہ وار باہر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے نگاہیں اٹھا کر سامنے دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے اسکا دل رک گیا۔ بالاج میرا اسکے سامنے کھڑا تھا۔ ملگجے سے لباس میں، بال بکھیرے، چہرہ کھنڈر، آنکھوں تلے سیاہ حلقے وہ خاندان کا پرکشش مرد آج پر مشردہ لگ رہا تھا۔ زینیا کو

دیکھتے اس کی آنکھیں ہلکی نم ہوئیں۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ آگے بڑھ کر اس سے کچھ کہنا خواب لگ رہا تھا۔ سماعتوں میں اب بھی اسکے فقرے گونج رہے تھے۔

(تم اس شہر عبداللہ کے لئے آئی ہو ناں۔؟)

وہ اسکی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔ اسکے چہرے پہ پیشانی تھی۔ ہر قدم پہ زینیا کو اپنے دل میں جھکڑ چلتے محسوس ہوئے۔ وہ اسکے قریب کھڑے ہو کر اس سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں نم پیشانی تھیں کندھے ڈھلکے ہوئے۔ زینیا کو یہ شخص اجنبی لگا۔

" They betrayed me"

اسکے لبوں سے آزر دگی سے چند الفاظ ادا ہوئے۔

(تم اس شہر عبداللہ کے لئے آئی تھیں ناں۔)

"انہوں نے میرے ساتھ بہت غلط کیا زینیا۔ میرے پاس اب کچھ بھی نہیں رہا۔ میں برباد ہو گیا ہوں ،میرے سارے خواب تباہ ہو گئے ہیں ۔۔" وہ نم آنکھیں لئے کہہ رہا تھا۔ اگر بڑھ کر زینیا کے ساکن ہاتھ تھام لئے اسکے وجود میں اب بھی کوئی جنبش نہ ہوئی۔

"They betrayed me"

وہ سر جھکائے روتے ہوئے بس اسی لفظ کی گردان کئے گیا۔

(تم اس شہر عبداللہ کے لئے آئی تھیں ناں۔؟)

وہ اسکے ہاتھ جھٹک دینا چاہتی تھی، اسے جھٹکنے چاہیے تھے۔ وہ اس شخص کو اسی طرح ذلیل کر سکتی تھی جیسے وہ کرتا تھا۔ وہ یونہی طعنے دے سکتی تھی جیسے وہ دیتا تھا۔ وہ اسے بھی لفظوں کے تیر سے زخمی کر سکتی تھی۔ یہ وہی شخص تھا جس نے اسکے کردار پہ انگلی اٹھائی تھی۔ اس کے ساتھ اسی کے جیسا سلوک کرنا غلط نہ ہوتا۔

(تم اس شہر عبداللہ کے لئے آئی تھیں ناں۔)

"مجھ سے غلطی ہو گئی زینیا مجھے معاف کر دو . . . میں کیا کروں۔؟ خدا کے لئے مجھے مت چھوڑو

- "زینیا نے اسکی سرخ آنکھیں اور ڈھلکے ہوئے کندھے دیکھے۔ سماعتوں میں گونجتی آواز دب گئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اسکے کندھے سیدھے کئے۔ سنہری ساحر آنکھیں اسکے چہرے پہ گاڑ دیں۔ اور مضبوطی سے اسکے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں بالاج۔ مسائل سے پہلے میرے پاس حل آیا کرتے ہیں۔ میں سب ٹھیک کر دوں گی۔" وہ بالاج نہیں بن سکی۔ اسے بننا ہی نہیں آیا۔ اسکا ظرف اونچا تھا زینیا حاکم نے اپنوں کو کبھی نہیں چھوڑا تھا۔ عورت سب بھول کر ہر دفع مرد کی طرف پہل کر سکتی ہے۔ یہ مرد کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ اسکے پلٹ آنے کی عزت کرے۔ وہ سخت ضدی ڈھیٹ اور انا پرست مشہور تھی۔ لیکن اسلام آباد سے گواہ جانے والی ہواؤں نے ایک سرگوشی کی تھی۔

حقیقت مختلف ہوتی ہے۔

حباری ہے۔۔۔ اگلی قسط اگلے ماہ انشاء اللہ

\*\*\*\*\*

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔۔۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَحِبَاب۔۔۔

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید۔۔۔

ناولز کی دنیا "ویب سائیٹ / گروپ / پیج" دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپکی تحریر پوسٹ ہو جائے گی۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔

Email address :- [Novelskiduniya77@gmail.com](mailto:Novelskiduniya77@gmail.com)

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

( user name [@zoyatalib77](#) )

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page:- [Zoya Talib](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

( پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو )

اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے

["novels ki duniya "](#)

اور

["website"](#)

لکھا ہے ان دونوں کو وزٹ کرنے کے لیے لکھے ہوئے پر ہی کلک کریں اور اوپن کر لیں۔۔۔

شکریہ۔۔۔۔۔